بسم اللہ الرحمن الرحیم

دو مظلوم بھائی

حضرت حسینؓ نواسہ رسولﷺ اور بلند مرتبت شخصیت ہیں مگر مظلوم اس لئے ہیں کہ "انہوں" (یعنی کوفہ کے ہیجان علیؓ) نے انہیں گھر بلا کر دھوکے سے شہید کر دیا اور یزیدؒ اس لئے مظلوم ہیں کہ ان کے نامہ اعمال میں من گھڑت برائیاں اور نا کردہ گناہ ڈال کر انہیں بدنام کر دیا گیا حالانکہ دونوں قریبی رشتہ دار تھے مگر انہیں ایک دوسرے کا مد مقابل اور دشمن باور کرا دیا گیا ہے۔ العیاذ باللہ۔

یہ ساری افترا پردازیاں تاریخ میں سبائی آمیزش ہیں۔ ہم قرآن و سنت کے پیروکار ہیں، تاریخ کوئی حجت نہیں جو بسا اوقات شیعی افکار و تصورات کی تشہیر کرتی ہے کیونکہ ہمارے قدیم مؤرخین میں اکثر شیعہ یا شیعیت زدہ تھے۔ صحابہ کرامؓ معیارِ حق ہیں کہ اللہ عزوجل نے قرآن مجید میں خود اُن کی وکالت کی ہے۔ قرآن و سنت اور صحابہ کے طرزِ عمل کی روشنی میں مرتب کردہ پچیس (۲۵) اہم نکات (بشمول بعض اشکالات و اعتراضات اور اُن کے جوابات) درج ذیل ہیں جو فکر و عمل کی دعوت دیتے ہیں تاکہ ہم سب مل جل کر اپنے عقائد و نظریات کی درست سمت میں اصلاح کر کے عند اللہ سرخرو ہو جائیں۔ وما توفیقی الا باللہ۔

تاریخ کی غلط بیانیوں اور من گھڑت روایتوں کی وجہ سے عوام الناس اصل حقائق سے بے خبر ہیں اس لئے اسلام دشمن عناصر (جو چور چور کہتے ہوئے خود بھاگ جاتے ہیں) کی نقاب کشائی ضروری ہے تاکہ اسلام کے لبادے میں دشمنانِ اسلام کی پہچان اور محاسبہ ہو سکے!

کیا آپ جانتے ہیں کہ

(1) حضرت حسینؓ اور یزیدؒ کی آپس میں محبت اور گہری رشتہ داری تھی۔ رسول اللہﷺ کے بعد علماء کا ایک طبقہ یزید کے بارے میں سکوت کا قائل ہے مگر اُن کا یہ قول یا طرزِ عمل بلا جواز ہے کیونکہ شریعتِ محمدی شہادتِ حق کی تلقین کرتی ہے۔ باطل سے ڈر کر یا مرعوب ہو کر حق کو ظاہر نہ کرنا خلافِ شرع ہے۔ علاوہ ازیں سکوت کا ارتکاب سچی سچی شہادت کو مٹانے کا موجب ہے جو کہ خود ایک جرم ہے۔

حضرت حسینؓ کے نانا اور یزیدؒ کے حقیقی پھوپھا تھے۔ حضرت ابو سفیانؓ کی بیٹی، حضرت معاویہؓ کی بہن اور یزید کی پھوپھی رملہ المعروف سیدہ اُم حبیبہؓ، رسول اللہﷺ کی زوجہ محترمہ یعنی اُم المؤمنین تھیں۔ قرآن مجید کی زبان میں اُم المؤمنین رملہ، اہلِ بیت میں سے ہیں۔ سورۃ الاحزاب، آیت ۳۳ میں تمام اُمہات المؤمنین ہی کو "اہلِ بیت" قرار دیا گیا ہے۔

(2) علامہ ابنِ کثیرؒ نے اپنی تاریخ کی معتبر کتاب "البدایۃ والنہایۃ" (ج ۸، ص: ۱۳۳) میں لکھا ہے کہ امیر المؤمنین، حضرت معاویہؓ نے جہادِ قسطنطنیہ سے واپسی پر اپنے جواں سال بیٹے یزید کو امیر الحج مقرر کیا اور متواتر تین سال تک یزید نے امیر الحج کے فرائض سر انجام دیئے۔ صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں یزید کا بطور امیر الحج مقرر اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ صوم و صلوٰۃ کے پابند، صالح اور متقی تھے۔ اور ان میں کوئی عیب یا برائی نہ تھی جو کہ دشمن ان سے منسوب کرتا ہے۔ ان تین سالوں یعنی ۵۱ھ سے ۵۳ھ کے درمیان بہت سے اصحابِ رسولﷺ، اکابرینِ ملت، مجاہدینِ عظام اور مملکتِ اسلامیہ کے لاکھوں مسلمانوں نے ہر سال یزید کی امارت میں مناسکِ حج ادا کئے، ان کے خطبات سنے، ان کے پیچھے پانچوں وقت نمازیں ادا کیں اور ان کی معیت میں روضہ رسولﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

۵۳ھ میں حج سے واپسی پر مدینہ منورہ میں یزید کی شادی حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ (جو کہ حضرت علیؓ کے داماد اور حضرات حسنؓ و حسینؓ کے بہنوئی تھے) کی بیٹی سیدہ اُمِ محمد سے ہوئی۔ اس رشتہ ازدواج سے یزید کی حضرت علیؓ کے خاندان سے قرابت داری اور وابستگی کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے، بنابریں حضرت حسینؓ کے رفیق، زہیر بن قین نے اپنی ایک تقریر میں کوفہ کے لوگوں کو بتلایا کہ حضرت حسینؓ اور یزید آپس میں چچا زاد ہیں۔ (طبری، ج ۶، ص ۲۴۲) حضرت حسینؓ کی ایک بیوی آمنہ (لیلیٰ) حضرت معاویہؓ کی بھانجی تھیں۔ الغرض دونوں خاندانوں (حضرت علیؓ و حضرت معاویہؓ) میں دیرینہ رشتہ داری اور خوشگوار تعلقات تھے۔ مگر سبائی مؤرخین نے صدیوں سے دروغ گوئی سے کام لے کر ان محبتوں کو نفرتوں میں تبدیل کر کے اُمّتِ مسلمہ میں انتشار پھیلا دیا اور یہ سلسلہ ابھی جاری ہے۔ اس لئے اہلِ سُنت کے ذمہ دار حضرات اپنی تقاریر و تصانیف میں واقعہ کربلا بیان کرتے وقت احتیاط فرمائیں، چونکہ امیر یزید کا قصور صرف اتنا تھا کہ ان کے دورِ خلافت میں حضرت حسینؓ بے وفا اور غدار کوفیوں کی سازشوں کا شکار ہو گئے اور اپنی تین شرائط پیش کرنے کے باوجود ان ظالموں کے

ہاتھوں بے دردی سے قتل ہوئے۔ کوفی منافقین نے اپنے طے شدہ منصوبے کے تحت حضرت حسینؓ کو دھوکے سے بُلا کر شہید کیا، امیر یزید کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا اور خود "محبانِ حسینؓ و اہلِ بیت" بن بیٹھے، لیکن ہم ہیں کہ دشمن کی چالوں کو نہیں سمجھتے اور اپنوں کو ہی موردِ الزام ٹھہرا کر ان کی توہین و تکفیر کرتے ہیں! فاعتبروا یا اولی الابصار۔

(3) حضرت علیؓ کے عہدِ خلافت میں سبائی منافقینِ کوفہ (جو اپنے آپ کو ہیجانِ علیؓ کہتے تھے یعنی علیؓ کے حامی و طرفدار) نے ان پر دباؤ ڈال کر اسلامی سلطنت کا دارالخلافہ مدینہ منورہ سے کوفہ (جو کہ نام نہاد محبانِ اہل بیت کا مرکز تھا) منتقل کروایا تاکہ حضرت علیؓ کو اسلام کے مراکز، مکہ و مدینہ سے دور کر کے انہیں اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کر سکیں۔ ان جھوٹے "محبانِ اہل بیت" کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے جنگِ جمل اور جنگِ صفین واقع ہوئیں، جن میں فریقین کے لوگ انہی سبائی منافقین کی سازشوں سے ناحق قتل ہوئے اور خانہ جنگی کا یہ سلسلہ حضرت علیؓ کی شہادت تک جاری رہا۔ اس سے قبل کوفہ کے انہی غدار و سازشی لوگوں نے مختلف حیلوں بہانوں سے خلیفہ ثالث و دوہرے دامادِ رسولﷺ حضرت عثمانؓ کو نہایت بے دردی سے شہید کیا اور خود بڑی مہارت سے حضرت علیؓ کی بیعتِ خلافت کر لی تاکہ قصاصِ عثمانؓ میں مارے نہ جائیں اور مسلمانوں کے درمیان غلط فہمیاں ڈال کر قتال کروایا۔

قصاصِ عثمانؓ پر ہی اُمت میں اختلاف ہوا اور سبائی سازش کامیاب ہوئی، جس کی وجہ سے مندرجہ بالا دو جنگیں برپا ہوئیں، جن میں دونوں اطراف سے صحابہ کرامؓ سمیت مسلمان شہید ہوئے۔ جس کے واحد ذمہ دار دشمنِ اسلام، ابنِ سباء یہودی کے پیروکار، سبائی منافقینِ کوفہ تھے۔ منافقین کے بارے میں قرآنِ پاک کا ارشاد ہے کہ وہ دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے۔ (سورۃ النساء، آیت ۱۴۵) یہ منافقین کے لیے کس قدر عبرت کا مقام ہے!

(4) خلافتِ راشدہ (خاصہ) کا دور حضرت معاویہؓ پر ختم ہو جاتا ہے۔ نبی کریمﷺ نے اُن کو "ہادی و مہدی" کا خطاب دیا اور ایک خوشخبری سنائی تھی کہ "میری اُمت کے پہلے لشکر نے جو بحری لڑائی لڑے گا اپنے اوپر جنت واجب کر لی۔" (بخاری) اس خوشخبری کے مصداق حضرت معاویہؓ ہیں جو ۲۷ھ میں بحری بیڑا لے کر روانہ ہوئے اور ۲۸ھ میں آپ کے ہاتھوں

قبرص (بحیرہ روم) کی فتح ہوئی۔

رسول اللہﷺ کے ایک اور ارشاد کے مطابق جنتیوں کی اہل ایمان اولاد بھی جنت میں جائے گی۔ ان احادیثِ صحیحہ کی رو سے حضرت معاویہؓ اور اُن کے بیٹے یزیدؒ دونوں مغفور ہیں کہ یزیدؒ حدیثِ **مغفور لہم** کے بھی مصداق ہیں (ملاحظہ ہو تفصیل آگے کے صفحات ۱۸-۱۷) اس سلسلہ میں علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں: "یزید کی ذات میں قابلِ ستائش صفات، حلم و کرم، فصاحت

و شعر گوئی اور شجاعت اور بہادری کی تھیں نیز معاملاتِ حکومت میں عمدہ رائے رکھتے تھے اور وہ خوب صورت اور خوش سیرت تھے"۔ (البدایہ والنہایہ، ص ۲۳۰، ج ۸)

حضرات علیؓ، فاطمہؓ، حسنؓ و حسینؓ ہماری آنکھوں کے نور ہیں اور ان کے ساتھ محبت و عقیدت ہمارا جزوِ ایمان ہے، بقول مولانا عتیق الرحمن سنبھلی نعمانی، ابن مولانا محمد منظور نعمانیؒ (مصنفِ لاجواب تاریخی دستاویز بعنوان "خمینی اور شیعہ کے بارے میں علماء کرام کا متفقہ فیصلہ و فتویٰ" ناشر، مکتبہ الفرقان، ۱۴/۳۱ النظیر آباد، لکھنؤ ۲۲۶۰۱۸، یو پی، انڈیا) "یزید سے ہماری کوئی رشتہ داری نہیں اور اگر ہے تو پہلے حضرت حسینؓ سے ہے۔ حضرت معاویہؓ سے ہماری کوئی رشتہ داری نہیں اور اگر ہے تو پہلے حضرت علیؓ سے ہے، مگر حضور اکرمﷺ جن کی ذاتِ اقدس کی طرف یہ تمام رشتہ داریاں لوٹتی ہیں، ان کی مبارک تعلیم نے ہمارا رشتہ سب سے پہلے حق اور صداقت کے ساتھ قائم کر دیا ہے، باقی تمام رشتہ داریوں کا درجہ اس کے بعد رکھا ہے، ملاحظہ ہو فرمانِ باری تعالیٰ:

(i) **"اے ایمان والو! قائم رہو انصاف پر، گواہی دو اللہ کی طرف کی اگرچہ نقصان ہو تمہارا یا ماں باپ کا یا قرابت والوں کا""** (سورۃ النساء، آیت ۱۳۵))

(ii) **"اے ایمان والو! کھڑے ہو جایا کرو اللہ کے واسطے گواہی دینے کو انصاف کی اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو۔ عدل کرو یہی بات نزدیک ہے تقویٰ سے"** (سورۃ المائدہ، آیت ۸)

(iii) **"تحقیق اللہ کے ہاں عزت و قرب بلحاظِ تقویٰ ہے"**۔ (سورۃ الحجرات، آیت ۱۳) یعنی جو شخص جس قدر نیک خصلت ہو، مؤدب اور پرہیز گار ہو اُسی قدر اللہ کے ہاں معزز و

مکرم ہے۔ حسب و نسب کی وہاں کوئی حقیقت نہیں۔

اسلام کی اس واضح اور صریح تعلیم کو دھیان میں رکھتے ہوئے ہمیں تو اس کی کوئی گنجائش نظر نہیں آتی کہ یزید کے لئے اور حضرت حسینؓ کے لیے ہمارے پاس الگ الگ ترازو اور الگ الگ بات ہوں بلکہ اس طرح حقائق کے ساتھ بے انصافی جیسی غلط چیز ایمان کا تقاضا بن جاتی ہے' (واقعہ کربلا: ایک نئے مطالعہ کی روشنی میں، ص ۳۸-۳۹)

یزید سے ہمیں براہِ راست کوئی دلچسپی نہیں۔ ہماری دلچسپی صرف اس بات میں ہے کہ پڑھنے والے پر سچائی اور حق ظاہر ہو۔ یہاں بات یزید کی وکالت کی نہیں بلکہ صحابہ کرامؓ، خاندانِ نبوتﷺ، تابعینؒ اور دورِ خیر القرون کی وکالت مقصود ہے کیونکہ یزید کی بیعت صحابہ کرامؓ، تابعینِ عظامؒ اور خاندانِ رسالتﷺ نے کی، حتیٰ کہ پورے عالمِ اسلام میں یزید کی بیعت سوائے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت حسینؓ (جو سلسلۂ وحی کے اختتام یعنی رسول اللہﷺ کی رحلت کے وقت ابھی کمسن بچے تھے) کے باقی سب نے کر لی تھی جیسا کہ علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب البدایۃ والنہایۃ ج ۸، ص ۷۹، ۸۰ میں لکھا ہے، بلکہ کربلا میں پہنچ کر تو حضرت حسینؓ بھی یزید کی بیعت پر تیار ہو گئے تھے۔ حضرت حسینؓ نے فرمایا تھا کہ "مجھے یزید کے پاس لے چلو، میں اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دوں گا"۔ (الہدایۃ والنہایۃ، ج ۸، ص ۱۷۰) علاوہ ازیں یہی بات مندرجہ ذیل کتبِ تاریخ میں بھی موجود ہے۔ تاریخ طبری، ج ۶ ص ۵۳۲، تاریخ ابنِ خلدون (اردو) ج ۲، ص ۵۲۸، تاریخ الخلفاء، علامہ جلال الدین سیوطی، ص ۱۵۸، فتاویٰ امام ابن تیمیہ، ج ۲۷، ص ۴۷۱ اور Spirit of Islam (اردو) از سید امیر علی، ص ۴۵۸۔)

واقعہ کربلا سے اور کچھ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، شیعیت کو اپنی دکان چمکانے اور اپنے اثرات پھیلانے کا بے پناہ موقع ملا ہے، اسی لئے ضرورت ہے کہ نہایت ٹھنڈے دل سے پورے معاملے کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ یزید کا معاملہ اتنا نازک ہے کہ اس کے حق میں بالکل سیدھی اور معقول بات کہتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے کیونکہ واقعہ کربلا کے روایتی تصورِ محبت نے ہماری دنیاوی یا دینی درسگاہوں کے لکھے پڑھے لوگوں کو بھی تھرائی شیعیت سے اس درجہ ہم

آہنگ کر دیا ہے کہ وہ اس سے ہٹ کر کچھ سوچ بھی نہیں سکتے، حالانکہ یزید کے خلاف حضرت حسینؓ کے موقف کے حوالہ سے جو یزید کے فسق و فجور کی بات سامنے لائی جاتی ہے، اس کا کوئی ثبوت حضرت حسینؓ کی زبان سے نہیں ملتا۔ دوم یہ کہ اس کا ثبوت بھی فی الواقع دستیاب نہیں کہ امیر المؤمنین، یزید سانحہ کربلا میں ملوث تھے یا اُن کے ایماء پر قافلۂ حسینی قتل و غارت کا شکار ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت حسینؓ کی شہادت کوفہ کے منافقین کے ہاتھوں ہوئی، جنہوں نے اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کی غرض سے امیر یزید اور اس کے حکومتی کارندوں کو موردِ الزام ٹھہرایا!

اس سلسلہ میں دُکھ کی بات یہ ہے کہ شیعہ پروپیگنڈہ سے متاثر عوام الناس اور خواص کا یہ عالم ہے کہ آنکھیں بند کر کے یزید کے فسق و فجور پر ایمان رکھتے ہیں۔ دراصل انہیں حضرت حسینؓ کی مظلومیت کے پسِ منظر میں اس قدر ورغلایا گیا ہے کہ صحابہؓ کا موقف، فرض شناسی، حق پرستی اور حُرمت و ناموس ان کی نظر میں کوئی وزنی شے نہیں رہی۔ جس ماحول میں انہوں نے آنکھیں کھولیں، پلے بڑھے، وہاں انہیں بتلایا گیا کہ یزید کو جتنا مردود کہیں گے، حضرتِ حسینؓ کی مظلومیت و عظمت اتنی ہی فزوں تر ہو گی حالانکہ مظلومیتِ حسینؓ، یزید کی نام نہاد "ملعونیت" اور حضرت معاویہؓ کی تحقیر پر منحصر نہیں ہے، وہ تو ایسے مظلوم تھے کہ یزید پر تہمت لگائے بغیر بھی (شیعیانِ کوفہ کی غداری کی وجہ سے) انہیں مظلوم کہا جا سکتا ہے۔

افسوس، صد افسوس، یزید کے بارے میں اکثر اہل سنت کا ایمان قرآن و حدیث اور تعاملِ صحابہؓ کی بجائے اہل تشیع کی جھوٹی روایات پر ہے!

حق بات یہ ہے کہ حضرت حسینؓ اور یزید کے درمیان کوئی دینی جھگڑا نہ تھا اور نہ ہی ان دو چچا زاد بھائیوں میں کوئی ذاتی عناد یا سیاسی اختلاف تھا۔ وہ باہم شیر و شکر تھے لیکن بدقسمتی سے عجمی مجوسیوں نے دو صدی بعد ایک سیاسی مصلحت کے تحت واقعہ کربلا کے حوالے سے از خود حق و باطل کا مسئلہ گڑھا اور اسے مذہبی رنگ دے کر مستقل پروپیگنڈہ کے ذریعے عقیدہ میں شامل کر دیا اور یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ جو چیز ایک دفعہ اعتقاد میں شامل ہو جائے اور انسان اسے مذہب کا جزو بنا لے (خواہ وہ کتنی ہی غلط کیوں نہ ہو) اس کے خلاف آواز سننے اور برداشت کرنے کی اس میں تاب نہیں ہوتی، خواہ وہ آواز کتنی ہی حقیقت پر مبنی کیوں نہ ہو۔ لہٰذا کسی غلط عقیدے کے خلاف آواز اٹھانا بڑا ہی مشکل کام ہے۔ اسی پروپیگنڈہ کا نتیجہ ہے کہ

آج یزید کو امیر المؤمنین کہنے پر بیشتر لوگ ناگواری محسوس کرتے ہیں حالانکہ بحیثیت سربراہِ ملتِ اسلامیہ یہ لقب اُن کا استحقاق تھا۔

یزید کی ولی عہدی کی بیعت ۵۶ ہجری میں ہوئی یعنی حضرت امیر معاویہؓ کی وفات سے چار سال قبل۔ لہٰذا حضرت امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد یزید خود بخود مجاز خلیفہ ہو گئے کیونکہ صحابہ کرامؓ اور اُمّہات المؤمنین کے مشورہ اور تائید سے یزید کو حضرت معاویہؓ کا جانشین نامزد کیا گیا اور سارے عالمِ اسلام کے لوگوں نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت کر لی تھی۔ حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے پر بیعت کی تجدید محض ایک رسمی کارروائی تھی جس کا ان کی خلافت کے منعقد ہونے یا نہ ہونے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس لیے یہ عذر نا قابلِ تسلیم ہے کہ چونکہ یزید کی خلافت منعقد نہیں ہوئی تھی اس لیے خروج کی کارروائی نا جائز نہیں تھی۔

معرکہ حق و باطل: حقیقت یا افسانہ؟ (5)

حضرت حسینؓ کی شہادت تاریخ کا المناک باب ہے لیکن اس المناک باب کے اصل محرکات کو صدیوں سے چھپانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ سانحہ کربلا پر اس وقت کے مسلمانوں کو بہت افسوس ہوا کہ حضرت حسینؓ نے اکابر صحابہؓ کے مشوروں کو نظر انداز کر کے کوفیوں کی بات مان لی جو حسبِ سابق غدار ثابت ہوئے مگر اس وقت یہ کسی نے نہ کہا کہ حضرت حسینؓ نے

اسلام کی خاطر جان دی یا کربلا میں حق و باطل کا مقابلہ ہوا۔ یہ سب بعد کی پیداوار ہے۔ حق و باطل کا واویلا رفض کی جدید پروپیگنڈہ تکنیک ہے جو خصوصاً سادہ لوح اہلِ سنت کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے استعمال کی جاتی ہیں اور جاہل عوام رفض کے شاطرانہ پروپیگنڈہ کی وجہ سے شیعیت کے جال میں بُری طرح پھنس چکے ہیں۔

افسوس کا مقام یہ ہے کہ علماء و خطباء اور میڈیا عوام کو حقیقت حال بتانے کی بجائے دانستہ یا غیر دانستہ طور پر سبائی سازشوں کا شکار ہو کر واقعہ کربلا کو معرکہ حق و باطل کا نام دے کر اس کا خوب چرچا کرتے ہیں۔ کاش یہ عناصر اتنا تو سوچ لیتے کہ وہ یہ افسانہ مشترکہ کر کے حضرت حسینؓ کو کس مقام پر کھڑا کر رہے ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا واضح ارشاد ہے کہ "اگر کوئی شخص اس اُمت کے سیاسی نظام میں تفرقہ ڈالے جب کہ اُمت متفق ہو چکی ہو تو تلوار سے اس کی گردن اڑا دو خواہ وہ کوئی ہو" (مسلم شریف) جب کہ حضرت حسینؓ کا امیر المؤمنین یزید سے بیعت کرنے پر تیار ہونا اُن کو ایسی احادیث کی زد سے بچا لیتا ہے جن میں خلافتِ قائمہ کے خلاف خروج کرنے

والوں کو واجب القتل قرار دیا گیا ہے..................... اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ عوام و خواص، صحابہؓ، تابعینؒ اور امیر یزیدؒ کے خلاف ہونے والی سازشوں کا حقیقی ادراک کر کے اپنے حقیقی دشمن کو پہچانیں اور ساتھ ہی اس امر کا بھی اعتراف کریں کہ مشاجرات (تنازعات) صحابہؓ بوجہ اجتہاد تھے نہ کہ عناد۔

حضرت حسینؓ نے یزیدؒ کے خلاف علمِ بغاوت یا جہاد کا کبھی بھی اعلان نہیں فرمایا۔ کوفہ کے سبائی منافقین (جو اپنے آپ کو شیعانِ علیؓ کہتے تھے) نے یزیدؒ کی حکومت کے خلاف بذریعہ خطوط جو شکایات کیں اور وفود بھیجے اُن کا جائزہ لینے کے لیے حضرت حسینؓ نے اپنی سادہ لوحی کے باعث کوفہ کا سفر کیا۔ جب اصل صورتِ حال سامنے آئی اور جھوٹ کا پول کھلا تو آپؓ نے تین شرائط پیش فرما دیں: (1) مجھے واپس جانے دو۔ (2) مجھے اپنے چچا کے بیٹے یزیدؒ کے پاس جانے دو تاکہ میں اپنا ہاتھ بیعت کے لیے اس کے ہاتھ میں دے دوں۔ {حضرت حسینؓ کا یزیدؒ کو اپنا چچا زاد کہنا فرزندانِ قریش حضرات علیؓ و معاویہؓ کی باہم رشتہ داریوں کے حوالہ سے تھا} (3) مجھے اسلامی سرحدات پر بھیج دو تاکہ میں وہاں کفار سے جہاد کروں۔ یہ تینوں شرائط تاریخ کی تمام بڑی کتابوں میں موجود ہیں۔ حضرت حسینؓ کی ان شرائط کے بعد واقعہ کربلا اور اس کے پسِ منظر میں اصل سازش اور سازشی کرداروں کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے اور کوئی ابہام باقی نہیں رہتا۔ یقیناً حضرت حسینؓ کو شہید کرنے والے ظالم تھے مگر اس ظلم کا ذمہ دار اسی کو ٹھہرایا جائے جس نے ظلم کیا!

خود حضرت حسینؓ کے اہل خانہ اور محققین دورِ قدیم و جدید نے بھی امیر یزیدؒ کو خونِ حسینؓ سے بری الذمہ قرار دیا ہے۔ بنابریں معین الدین کاشانی، شیعہ شاعر کا شعر ہے "سرداد نہ داد دست در دستِ یزید حقا کہ بنائے لا الہ است حسین" صریح بُہتان ہے کیونکہ حضرت حسینؓ کی تین شرائط کی پیش کش اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ انہوں نے اپنے موقف سے رجوع فرما لیا تھا اور وہ تجدیدِ بیعتِ خلافتِ یزیدؒ کے لیے تیار ہو گئے تھے۔

بہر حال یہ بات قطعی طور پر جھوٹ اور افتراء ہے کہ حضرت حسینؓ کا یزیدؒ کی تجدیدِ بیعتِ خلافت سے انکار ان کے "فسق و فجور" کی وجہ سے تھا کیونکہ تاریخ کی روشنی میں اس [ستارہ نشان] حضرت حسینؓ نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت تو (حضرت معاویہؓ کے دورِ خلافت میں ہی کر لی تھی (تفصیل ص 42 ایضاً

کا دور دور تک بھی کہیں پتہ نہیں چلتا۔ یہ مسئلہ اگر اُٹھا ہے تو حضرت حسینؓ کی شہادت کے تین سال بعد مدینہ کے مضافات میں ایک علاقہ حرّہ کے کچھ لوگوں (جن کے روحِ رواں وہی سبائی مفسد تھے) کی طرف سے اُٹھا ہے اور اسے رد کرنے والے اہل مدینہ میں حضرت حسنؓ و حسینؓ کے بھائی حضرت محمد بن علی المعروف بہ ابن الحنفیہؒ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابو سعید خدریؓ، سعید بن مسیبؒ جیسے جلیل القدر صحابہؓ و تابعینؒ حضرات تھے جن کے رد کرنے کو

نظر انداز کرنا تاریخ سے سخت ناانصافی ہوگی۔ بعینہٖ اسی طرح حضرت عثمانؓ جیسے عظیم المرتبت خلیفہ کے دور میں بھی سبائی شورش پسندوں (جو کہ کوفہ، بصرہ اور مصر سے آئے تھے) نے ابن سباء کی قیادت میں مدینۃ الرسولﷺ میں ہنگامہ آرائی کی تھی جو قطعاً اس بات کی دلیل نہیں بن سکتا کہ حضرت عثمانؓ جیسے عادل اور پاک باز خلیفہ میں کوئی ذاتی نقص تھا۔ العیاذ باللہ، یہ تو سب سبائی سازش کا حصہ تھا جس کے نتیجہ میں حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت واقع ہوئی۔ لہٰذا علامہ اقبالؒ کی طرف منسوب شعر ـہ قربانیوں کی ابتداء اسماعیلؑ ہیں اور انتہا حسینؓ ہیں........... کی نسبت یزیدؒ کی طرف کرنا خلافِ واقعہ ـہ ہے کیونکہ

غریب و سادہ و رنگین ہے داستانِ حرم

نیابت اس کی عثمانؓ ہیں اور ابتداء ہابیلؑ

یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ دامادِ رسولﷺ حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت اور نواسۂ رسولﷺ حضرت حسینؓ کی مظلومانہ شہادت عبداللہ بن سباء کے پیروکاروں کی سبائی سازش کا ہی شاخسانہ تھی۔

واقعہ کربلا تاریخ اسلام کا ایک بہت المناک واقعہ ہے اس حادثۂ فاجعہ میں سیدنا زین العابدین ابن حضرت حسینؓ اور سیدہ زینب بنت علیؓ کا طرزِ عمل ہر مسلمان کے لیے اُسوہ ہے جنہوں نے غدار کوفیوں کو قتلِ حسینؓ کا اصل مجرم قرار دے کر امیر یزیدؒ کی برأت کا اعلان کیا اور بعد ازاں کئی روز تک دمشق کے قصرِ خلافت میں قیام کیا اور تا حیات امیر یزیدؒ کے ساتھ اپنے خوشگوار دیرینہ تعلقات قائم رکھے۔

نوٹ: عبداللہ بن سبأ (بانی مذہبِ شیعہ) کے پیروکاروں نے اسلام اور مسلمانوں کو ڈسک

:تصویر میں موجود متن درج ذیل ہے

پہنچانے کے لئے اپنی مجرمانہ کارروائیوں کا آغاز حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت سے کیا اور اختتام حضرت حسینؓ کی شہادت پر، بلکہ اُن کی دہشت گردانہ کارروائیوں کے سلسلے اب بھی جاری ہیں۔

یزید اور حضرت حسینؓ کے درمیان کوئی دشمنی یا عداوت نہ تھی، سبائی منافقین (جو اہلِ سنت کا مخالف - حزب الشیطان (6) گروہ ہے) نے اپنے مکر وہ عزائم کی تکمیل کے لئے "مخالفت بیعتِ ولی عہدی" اور "انکارِ خلافتِ یزید" کا شوشہ چھوڑا تاکہ مسلمانوں میں خانہ جنگی ہو اور اسلامی فتوحات کا سلسلہ بند ہو جائے۔

مفکرِ اسلام، مولانا محمد اسحٰق صدیقی ندوی، سابق شیخ الحدیث و مہتمم ندوۃ العلماء، لکھنؤ و انچارج شعبہ تحقیق و ارشاد، جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن، کراچی نے اپنی ایک بے حد مفید علمی و تحقیقی کتاب "اظہارِ حقیقت" (جلد سوم) بجواب "خلافت و ملوکیت" (مؤلفہ ابو الاعلیٰ مودودی) میں ایک مخفی پہلو کی مومنانہ فراست و بصیرت سے اس طرح نقاب کشائی کی ہے:

حضرت حسینؓ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہوں نے (امیر یزیدؒ) کی بیعت نہیں فرمائی۔ مگر اول تو اس روایت کی صداقت میں" کلام ہے۔ اس کا قوی شبہ ہے کہ یہ کسی سبائی کی گڑھی ہوئی ہو۔ لیکن اگر یہ صحیح ہو تو بھی اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت حسینؓ کو ان کی خلافت سے انکار تھا۔ حضرت حسینؓ ، یزیدؒ کی ماتحتی میں قسطنطنیہ پر اس حملے میں شریک تھے، جس کے شرکاء کو حدیثِ صحیح میں **مغفور لَھم** کی بشارت دی گئی ہے۔ پھر جب حضرت حسینؓ نے اس جہاد میں اُن کی سربراہی اور افسری تسلیم کر لی تھی تو انہیں خلیفہ اور سربراہِ مملکت تسلیم کر لینے میں کیوں تأمل ہوتا؟...... حضرت حسینؓ اللہ والے تھے، جاہ و اقتدار کی طلب سے ان کا قلب بھی پاک تھا۔ وہ خلافت کے طلب گار نہیں تھے۔ امیر یزیدؒ کے خلاف انہوں نے قطعاً خروج نہیں کیا اور ان کی خلافت پر انہیں کوئی اعتراض نہیں تھا۔ داستانِ کربلا لِّلْمُخْتَفِ کَذَّاب اور اس کے معاون یہود کی گڑھی ہوئی جھوٹی داستان ہے........ جو انہوں نے امامت کے باطل نظریے کو پھیلانے اور اُمتِ مسلمہ کو گمراہ کرنے اور اسے

زوال و انحطاط کے راستے پر ڈالنے کے لئے گھڑی تھی۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ سبائیوں نے اُمتِ مسلمہ اور خلافتِ اسلامیہ کو نقصان پہنچانے کے لئے حضرت حسینؓ کے قتل کا منصوبہ بنایا اور انہیں کوفہ آنے اور قیام کی دعوت دی اور مقصد یہ ظاہر کیا

کہ ہم آپؓ سے ہدایت یعنی کتاب و سُنت کا علم حاصل کرنا اور آپؓ کی تعلیم و تربیت سے اپنے نفوس کا تزکیہ کرنا چاہتے ہیں۔ اسی تعلیم و تربیت کے لئے حضرت حسینؓ نے وہاں کا سفر فرمایا اور وہاں بکاؤ اور ان ناہنجاروں نے اسے "خروج" کے نام سے مشہور کیا اور حضرت حسینؓ کو ان کے بہت سے اعزہ و اقارب کے ساتھ شہید کر دیا، پھر الزام حکومتِ وقت پر لگا دیا۔ یہ ایک واضح اور مسلّمہ حقیقت ہے کہ قاتلانِ حسینؓ کوفہ و بصرہ کے سبائی تھے۔ ان میں کوئی سُنی نہیں تھا اور کوئی شامی نہیں تھا۔ (اس کے ساتھ یہ بھی ایک ثابت شدہ اور تاریخی حقیقت ہے کہ قاتلانِ حسینؓ سب اہل کوفہ ایرانی تھے"۔ (ص ۱۶۰ و ۴۴۷

نوٹ: حادثہ کربلا کا تعلق عقائد سے نہیں تاریخ سے ہے۔ عقیدہ کی بنیاد قرآن و سُنت ہے، بعض لوگوں نے تاریخ کی بنیاد پر حضرت حسینؓ کی امامت کا عقیدہ گھڑ لیا ہے، جو یقیناً جہالت اور گمراہی ہے۔ یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ حضرت حسینؓ نے نہ تو اپنی بیعت کا مطالبہ کیا اور نہ ہی یزید کی خلافت کو کہیں غلط کہا۔ مدینہ، مکہ اور کربلا تک کسی ایک مقام پر آپؓ کے کسی خطبے میں یزید کے خلاف کوئی چارج شیٹ نہیں۔ حضرت حسینؓ کے بیٹے زین العابدینؒ حادثہ کربلا کے عینی شاہد ہیں اور اُن کی کوئی گواہی یزید کے خلاف نہیں بلکہ وہ یزید کے اخلاص، محبت اور ہمدردی کے معترف ہیں۔ اسی طرح حضرت حسینؓ کی بہن حضرت زینبؓ (جو کہ رشتے میں یزید کی ساس بھی تھیں) حادثہ کربلا کے بعد دمشق پہنچ کر سرکاری مہمان خانہ میں عزت و احترام کے ساتھ ٹھہریں۔ عیار دشمن اپنے زہریلے پروپیگنڈے کے ذریعہ یزید کے خلاف اُن کی من گھڑت اور فرضی تقاریر کو اُچھالتا ہے حالانکہ وہ یزید کے حسنِ سلوک سے اس قدر متاثر ہوئیں کہ بقیہ زندگی کے ایام وہیں گزارے اور دمشق میں ہی مدفون ہوئیں!

خود حضرت حسینؓ کے طرزِ عمل سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ اُن کا یزید کی خلافت سے اگر اختلاف تھا بھی، تو اختلافِ رائے کی حد تک تھا نہ کہ مخالفت کی حد تک۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر حضرت حسینؓ مقتول کیوں ہوئے اور ان کے قتلِ ناحق میں یزید کا کیا کردار ہے؟...... اگر بے لاگ انصاف کی نظر ڈالی جائے اور کم از کم شبہے کا فائدہ جو ہر ملزم کو دیا جاتا ہے، یزید کو بھی دیا جائے تو یزید کا کوئی کردار اس معاملے میں ثابت نہیں ہوتا اور اس کی سب

سے کھلی اور واضح دلیل خود حضرت حسینؓ کی آخری وقت کی یہ کوشش اور خواہش ہے کہ آپؓ کو یزید کے پاس پہنچ جانے کا موقع مل جائے، یہی وجہ ہے کہ حضرت حسینؓ نے حکام کی منظوری سے دوسری شرط پر عمل کرتے ہوئے کوفہ کا راہ چھوڑ کر دمشق کا راستہ اختیار کیا، مگر سبائی منافق آڑے آئے اور ان غداروں نے جب یہ محسوس کیا کہ ہماری سازش کا بھانڈا پھوٹنے والا ہے، تو انہوں نے مصالحتی مذاکرات کا میاب نہ ہونے دیئے اور قتل و غارت کا بازار گرم کر کے چھوڑا، جس کے نتیجہ میں سانحہ کربلا رونما ہوا۔ امام ابن تیمیہؒ کے نزدیک اس کی توجیہ اس کے سوائے اور کیا ہو سکتی ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے حضرت حسینؓ کو شہادت کا مرتبہ بلند دینے کی غیبی تدبیر تھی۔

حضرت حسینؓ ۱۰ محرم ۶۱ھ کو ۵۵ سال کی عمر میں شہادت کے رتبے پر سرفراز ہوئے۔

(7) ایک من گھڑت اور غلط العام روایت جس کو اہل تشیع نے خوب پھیلایا اور بعض نادان سنیوں نے تسلیم کیا کہ حادثہ کربلا کے بعد عبید اللہ بن زیاد گورنر کوفہ نے حضرت حسینؓ کا کٹا ہوا سر یزید کے پاس دمشق بھجوایا تو اُس نے چھڑی سے آپؓ کے دندانِ مبارک کو ٹھوکا دیا، جس پر حاضرینِ مجلس میں سے حضرت ابی برزہ اسلمیؓ اور حضرت انس بن مالکؓ نے اسے ٹوکا کہ چھڑی ہٹا لو....... اس روایت کے جھوٹے ہونے کا منہ بولتا ثبوت یہ ہے کہ مندرجہ بالا جن دو صحابہؓ کی موجودگی میں چھڑی مارنے بتایا گیا ہے وہ اس وقت شام میں نہیں تھے بلکہ عراق میں تھے۔ اسی طرح کی ایک کہادت ابن زیاد کی طرف بھی منسوب

ہے۔ ایسی تمام خرافات اور جھوٹی روایتیں، تقیہ باز شیعہ راویوں اور ان کے ہم نواؤں کی گھڑی ہوئی ہیں جن کی شیخ الاسلام (امام ابن تیمیہؒ نے مدلل تردید کی ہے۔ (ملاحظہ ہو منہاج السنۃ ج ۲، ص: ۲۴۹ اور رسالہ "رأس الحسین" ص: ۲۸

ذرا غور کریں کہ اس دور میں ہم جیسے گئے گزرے مسلمان بھی اپنے دشمن کی لاش کی بے حرمتی کی جسارت نہیں کر سکتے، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ستر (70) لاکھ مربع میل پر پھیلی ہوئی اسلامی مملکت کا سربراہ (یزید) نواسۂ رسولﷺ کے جسدِ مبارک کے ساتھ ایسا معاملہ کرے؟

کاش ہم سمجھ سکتے کہ یہ من گھڑت اور بے بنیاد باتیں غمِ حسینؓ اور حمایتِ حسینؓ کے پردے میں کس معاندانہ منصوبے کی تکمیل ہیں؟

حق بات یہ ہے کہ حضرت حسینؓ کا سر مبارک یزید کے پاس دمشق میں لایا ہی نہیں گیا جیسا کہ علامہ ابن کثیرؒ نے البدایہ (ج ۸، ص ۱۶۵) میں وضاحت کی ہے۔ بلکہ کسی کو صحیح طور پر معلوم ہی نہیں کہ وہ کہاں مدفون ہیں۔ قافلۂ حسینی کے باقی ماندہ افراد و خواتین اور بچے جب سرکاری حفاظت میں کوفہ سے دمشق پہنچا دیئے گئے، تو یزید نے آبدیدہ ہو کر ان سے غمگساری کی۔ یزید کا پورا کنبہ اہل بیتِ نبوی کا رشتہ دار تھا، اس لئے حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد انہیں حرم سرائے خلافت میں ٹھہرایا گیا۔ جیسے ہی عصمت مآب خواتین زنان خانہ میں داخل ہوئیں، یزید کے گھر میں کہرام مچ گیا اور تین دن تک سوگ برپا رہا۔ یزید، حضرت حسینؓ کے بیٹے زین العابدین کو اپنے ساتھ دستر خوان پر کھانا کھلاتا تھا' (طبری، ج ۷، ص ۳۷۸)۔

الغرض حضرت حسینؓ کا سر قلم کرنے اور اس کی تشہیر کرنے کی روایتیں قطعاً غلط، سبائی سانچے میں ڈھلی ہوئی سراپا کذب اور جھوٹی کہانیاں ہیں۔

الحاصل: ہم عصر لوگوں سے بڑھ کر کسی کی شہادت معتبر نہیں ہو سکتی۔ شہادتِ حسینؓ کے بعد ہاشمی خاندان کے کسی فرد کو بھی خلیفۃ المسلمین امیر یزید کے خلاف کوئی گلہ یا شکایت نہ تھی اور نہ ہی عوام کی طرف سے واقعہ کربلا کے سلسلہ میں کوئی اعتراض یا ہنگامہ اُٹھا بلکہ حضرت حسینؓ کے عزیز و اقارب مثلاً زینب بنتِ علیؓ، علی بن حسینؒ (زین العابدین)، فاطمہ بنتِ حسینؓ، اُم کلثوم بنتِ حسینؓ وغیرہ نے خود اہل کوفہ کو غدار، مکار، منافق اور بدترین لوگ قرار دیا جو "محبانِ اہل بیت" کی آڑ !میں حضرت حسینؓ کے قاتل نکلے

احادیثِ نبویہﷺ میں لعنِ مسلم سے منع کیا گیا اور اس پر سخت وعید سنائی گئی ہے بلکہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ (8) "مسلمان پر لعنت کرنا اس کے قتل کے برابر ہے" مگر اس کے باوجود بعض اہل علم حضرات اصول و قواعدِ شریعہ کا بالکل لحاظ نہیں رکھتے اور اس شخص کو فوراً خارجی کہہ دیتے ہیں جو لعنتِ یزید سے منع کرتا ہے۔

علامہ ابن جوزی (متوفی ۵۹۷ھ) اور قاضی ثنا اللہ پانی پتی (متوفی ۱۲۲۵ھ) جیسے علماء نے بھی تحقیق نہیں کی۔ ان کو جو روایات پہنچیں اُن کی بنیاد پر انہوں نے یزید پر لعن کا الٹا سمجھا تو اس کے جواز کے قائل ہو گئے۔ وہ اپنی جگہ مخلص تھے لیکن وہ بنیاد (یعنی روایات) ہی بذاتِ

خود بے بنیاد تھی۔

اسی طرح علامہ سید محمود آلوسی (متوفی ۱۲۷۰ھ) نے تفسیر "روح المعانی" میں جوازِ لعنتِ یزید کے بارے میں سورۂ محمد کی آیت نمبر ۲۲ اور ۲۳ سے غلط استنباط کیا ہے کیونکہ ان آیات کا خطاب منافقین سے ہے جو چاہتے تھے کہ اقتدار (حکومت)

انہیں مل جائے تاکہ وہ جہاد کو موقوف کر دیں حالانکہ جہاد کو معطل کرنے سے دنیا میں امن و انصاف نہیں رہ سکتا، اس لیے ایسے لوگوں پر اللہ نے لعنت کی ہے۔ علامہ آلوسی نے قاضی ابو یعلیٰ کی کتاب معتمد فی الاصول، (ص ۷۲) کے حوالے سے صالح بن احمد بن حنبلؒ سے منسوب جو حدیث نقل کی ہے (یعنی "جس نے اہل مدینہ کو ظلماً ڈرایا، اللہ تعالیٰ اس کو ڈرائے گا اور ایسے شخص پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے") وہ اصول و قواعد کے لحاظ سے صحیح نہیں بلکہ منقطع ہے۔ اس لئے امام ابن تیمیہؒ اور علامہ ذہبیؒ دونوں نے اس روایت کو مردود قرار دیا ہے۔ بفرضِ محال اگر یہ حدیث صحیح بھی ہو تو اس کا اطلاق سبائی تلاسبیں عثمان پر ہوتا ہے نہ کہ یزید پر۔ الغرض کوئی مستند حدیث یا قرآنی آیت لعنتِ یزید پر دلالت نہیں کرتی۔ یہ سب کذب اور افتراء ہے۔ چنانچہ سلف صالحین، ائمہ اربعہؒ (امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ) اور ارباب حل و عقد (یعنی جو لوگ جمہورِ اسلام کے نمائندے اور قائد ہوں) میں سے کسی نے یزید پر لعنت نہیں کی ہے اور نہ ہی اسے جائز سمجھا ہے بلکہ یزید پر لعنت کرنے والے کو متعصب اور رافضیوں کی طرح حد سے تجاوز کرنے والا کہا گیا ہے۔ (ضوء المعالی علیٰ بدء الامالی، ص ۴۹ طبع، ۱۳۲۹ھ قاہرہ، مصر)

علماءِ اہلِ سنت میں جو حضرات (شعوری یا غیر شعوری طور پر سبائی اور غیر سبائی روایتوں میں تمیز نہ کر سکے) یزید پر لعنت کے جواز کے قائل ہوئے وہ اس کے قاتلِ حسینؓ اور فاسق و فاجر ہونے کی بنیاد پر ہوئے ہیں۔ لہٰذا جب یہ بنیاد (یعنی فسق و فجور اور قتلِ حسین میں ملوث ہونا) ہی ثابت نہ ہوئی تو جوازِ لعنت خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔

الحاصل: اہلِ سُنت کا عقیدہ لعنت کے خلاف ہے۔ آپ خود ہی سوچیں کہ کوئی مومن بھلا زمانۂ خیر القرون کے مسلمان خلیفہ...... یزید بن معاویہؒ...... پر لعنت کرنے کے حرام فعل کا ارتکاب کیسے کر سکتا ہے؟ یہ سب صحابہ کرامؓ کو مطعون کرنے کی سبائی سازش ہے۔

امیر یزیدؒ پر رحمۃ اللہ کہنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ مستحب ہے۔

(فتویٰ امام غزالیؒ)

حجۃ الاسلام، امام غزالیؒ اپنے فتویٰ میں فرماتے ہیں کہ "جو شخص یہ گمان رکھتا ہو کہ یزیدؒ نے حضرت حسینؓ کے قتل کا حکم دیا یا اس پر راضی ہونے کا اظہار کیا تو جاننا چاہیے کہ وہ پرلے درجے کا احمق ہے...... یزیدؒ پر رحمۃ اللہ علیہ کہنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ مستحب ہے کیونکہ وہ ہماری ہر نماز کی اس دعا میں شامل ہے۔ اللھم اغفر للمؤمنین والمؤمنات ۔ کیونکہ وہ مومن ہے" (وفیات الاعیان، ج ۲، ص ۴۴۹)

دسویں خلیفہ، امیر المؤمنین، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، یزید بن معاویہ پر **رحمۃ اللہ علیہ** کہتے تھے۔ (لسان المیزان، ج ۶، ص ۲۹۴، طبع ۱۳۳۱ھ حیدر آباد دکن)۔

روزنامہ "جنگ" (مورخہ ۲۶ اکتوبر ۲۰۰۷ء) کے رافضی کالم نگار، ڈاکٹر عامر لیاقت حسین کا یہ کہنا کہ "امام احمد بن حنبلؒ کے فتویٰ کی رو سے یزید مسلمان نہیں"، قطعی طور پر غلط اور گمراہ کن ہے۔ امام موصوف نے ایسا کوئی فتویٰ نہیں دیا۔ یہ اُن پر بہتان ہے۔ اس ضمن میں قاضی ابو یعلیٰ کے حوالہ سے صالح بن احمد بن حنبلؒ سے منسوب ایک منقطع اور مردود روایت جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے) سے جو ناپاک نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کی گئی ہے وہ قابلِ مذمت ہے۔ چونکہ قاضی ابو یعلیٰ کی وفات ۴۵۸ھ میں جبکہ صالح بن احمد بن حنبلؒ کی وفات ۲۶۶ھ میں ہوئی۔ (البدایہ والنہایہ، ص ۴۰، ج ۱۱) لہذا جب دونوں کی تاریخ وفات کے درمیان ایک لمبا عرصہ ہے اور سرے سے ملاقات ہی ثابت نہیں تو یہ روایت ہی جعلی اور من گھڑت ہے۔

ڈاکٹر عامر لیاقت حسین (جو کہ جیو ٹی وی پر "عالم آن لائن" کے عنوان سے گمراہ کن اور شر انگیز پروگرام نشر کرتا و کرواتا ہے) کی زہر افشانی کے برعکس امام احمدؒ نے "کتاب الزھد" [ستارہ نشان] میں خلیفہ یزیدؒ کی تعریف کی ہے۔ قاضی ابوبکر بن العربی مالکی (متوفی ۵۴۳ھ) لکھتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک یزیدؒ کی عظیم قدر و منزلت تھی، یہاں تک کہ اُن کو

ان زاہد صحابہؓ و تابعینؒ کے زمرہ میں شامل کیا ہے، جن کے اقوال کی پیروی کی جاتی ہے اور اُن کے مواعظ سے برکت حاصل کی جاتی ہے۔" (العواصم من القواصم، ص ۲۳۴، طبع ۱۳۹۵ھ)

ستارہ نشان] کتاب الزھد میں تحریف کی گئی ہے۔ موجودہ کتاب میں مذکورہ عبارت حذف کر دی گئی ہے۔[

جہادِ قسطنطنیہ کے موقع پر حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے خیمہ میں جب امیرِ لشکر، یزید بن معاویہؓ حاضر ہوئے تو انہوں نے امیر یزیدؒ سے فرمایا:

فقال له إذا أنا متُّ فاقرؤا على الناس مِنّي السلام وأخبروهم أنّي سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من مات لا يشرك بالله شيئا جعله الله في الجنة (البدایہ والنہایہ، ج ۸، ص ۵۹) جب میری وفات ہو جائے تو لوگوں کو میرا سلام کہنا اور ان کو یہ حدیثِ نبویﷺ سنانا کہ "جو شخص اس حال میں فوت ہو جائے کہ اس نے شرک نہیں کیا تو وہ جنت میں جائے گا۔"

صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں امیر یزیدؒ کے ذمہ حدیثِ نبویﷺ کی امانت سپرد کرنا یہ بھی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ امیر یزیدؒ کی شخصیت ان کے نزدیک عدالت، امانت، دیانت اور طہارت ہر لحاظ سے قابلِ اعتماد تھی۔

ابنِ کثیرؒ فرماتے ہیں کہ یزیدؒ نے اپنے والدِ گرامی (حضرت معاویہؓ) سے حضورِ اقدسﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا: **من يرد الله به خيراً يفقهه في الدين**۔ "اللہ تعالیٰ جس شخص سے بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتے ہیں۔" (بخاری)

امام ابو زرعہ دمشقیؒ فرماتے ہیں کہ: "یزیدؒ سے اور بھی روایات منقول ہیں" (البدایہ والنہایہ، ج ۸، ص ۲۲۷)۔ راویِ حدیث ہونے کے ناطے سے یزیدؒ کے خلاف زبان درازی کرنا یا ان پر علانیہ یا مخفی انداز میں طعن و تشنیع کرنا گناہِ عظیم ہے کہ کئی احادیثِ مبارکہ ان کی ذاتِ گرامی پر منطبق ہوتی ہیں۔ امیر یزیدؒ کی انگوٹھی میں یہ عبارت تھی:

(آمنت بالله العظيم (البدایہ والنہایہ، ج ۸، ص ۲۳۶

یزیدؒ ایک خوش اخلاق، نیک اطوار، مدینۃ النبیﷺ اور جوارِ رسولﷺ کے رہنے والوں سے اُنس و محبت رکھنے والے خادمِ اہلِ بیتِ رسولﷺ اور مومنینِ کرام و صحابہِ عظامؓ کے متفقہ امیر تھے جن کے نزدیک حکمرانی کا مقصد خدمتِ خلق تھا اور جن کا ملوحِ نظر فاروقِ اعظمؓ کی عادلانہ حکومت و سیاست تھی لیکن یہ کتنی زیادتی ہے کہ اپنوں اور غیروں کا پروپیگنڈہ کسی ناپاک مقصد کے تحت ان کو تقریباً چودہ سو سال سے بدنام کیے جا رہا ہے اور اُمّتِ مسلمہ کے ایک طبقے کو اس لا حاصل بحث میں الجھا کر اسے صراطِ مستقیم سے بالکل ہٹا دیا ہے!

---

(9) بخاری و مسلم اور ترمذی کی چار احادیثِ صحیحہ کا اطلاق یزید بن معاویہؓ پر ہوتا ہے جو کہ حسبِ ذیل ہیں:

(i) رسول اللہﷺ نے ارشاد فرمایا: "اسلام ہمیشہ غالب رہے گا، بارہ خلفاء تک جو (تواتر کے ساتھ) سب قریش میں سے ہوں گے"۔ (بخاری و مسلم)

شارحینِ حدیث کے مطابق بارہ خلفائے اسلام (جن کا تذکرہ اوپر والی حدیث میں آیا ہے) کے اسماء گرامی یہ ہیں: حضرت ابو بکر صدیقؓ (11-13ھ)، حضرت عمر فاروقؓ (13-23ھ)، حضرت عثمان غنیؓ (23-35ھ)، حضرت علی المرتضیٰؓ (35-40ھ)، حضرت حسنؓ (40-41ھ)، حضرت معاویہؓ (41-60ھ)، یزید بن معاویہؒ (60-64ھ)، عبد الملکؒ (65-86ھ)، ولید بن عبد الملکؒ (86-96ھ)، سلیمان بن عبد الملکؒ (96-99ھ)، عمر بن عبد العزیزؒ (99-101ھ)، یزید ثانیؒ (101-105ھ) اور ہشامؒ

(105-125ھ)۔ بحوالہ حافظ ابن تیمیہ، منہاج السنۃ، ج ۴، ص ۲۰۶، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، فتح الباری، شرح بخاری، ج ۱۳، ص ۲۱۳، طبع لاہور۔ ملا علیٰ قاری الحنفیؒ، شرح الفقه الأكبر، ص ۷۰، طبع قدیمی، کراچی۔ ابن حجر مکیؒ، الصواعق المحرقه، ص ۲۱۔ علامہ سیوطیؒ، تاریخ الخلفاء، ص ۱۲۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ، سیرۃ النبی، ج ۳، ص ۳۸۸، طبع دار الاشاعت، کراچی، شیخ ابو العز الحنفیؒ، شرح العقیدۃ الطحاویه، ص ۴۸۹، مطبع المکتب الاسلامی، بیروت۔ اور مطبوعہ ریاض، ص ۵۰۱، مولانا تقی عثمانی، تکملہ فتح الملهم، ج ۳، ص ۲۸۴۔

ان میں سے پہلے پانچ خلفاء یعنی حضرت معاویہؓ تک صحابیؓ اور باقی سب تابعیؒ تھے۔ ان بارہ خلفاء کا عہد خلافت بلا شبہ اسلام کی عظمت و سربلندی کا دور تھا۔ ان بارہ خلفاء میں سے آٹھ خلفاء کا تعلق بنو امیہ سے تھا۔

(ii) رسول اللہﷺ نے ارشاد فرمایا: "میری اُمت کا سب سے پہلا لشکر جو شہرِ قیصر (قسطنطنیہ) پر حملہ کرے گا اس کی (مغفرت مقدر ہو چکی ہے"۔ (بخاری

مغفرت اور جنت کی بشارت پا کر مسلمانوں کا ایک جمِ غفیر، جہادِ قسطنطنیہ (سن ۴۹ ہجری) کے لیے تیار ہو گیا اور اس لشکر کے امیر (کمانڈر) یزید بن معاویہؓ تھے، اُن کی کمان میں جلیل القدر صحابہؓ مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت حسینؓ اور میزبان

رسول اللہﷺ حضرت ابو ایوب انصاریؓ (جن کی عمر اُس وقت ۸۰ سال تھی) بھی شامل تھے۔ اسلامی لشکر نے درہ دانیال میں رومی بحری بیڑے کو شکست دے کر شہر شاٹیرس پر قبضہ کر کے باسفورس کی ناکہ بندی کر دی۔ رومیوں کو پسپا کرنے میں امیر یزیدؒ نے بہادری اور شجاعت کے وہ جوہر دکھائے کہ ان کو **فتی العرب** (عرب کا بہادر) کا خطاب ملا۔ (کتاب الاغانی، ج ۱۶، ص ۳۳)۔ صحیح روایات کے مطابق قیصرِ روم کے دارالحکومت قسطنطنیہ کا یہ محاصرہ ۹ ماہ تک جاری رہا۔ (یاد رہے کہ اس معرکہ کے دوران حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی وفات ہوئی اور اُن کی وصیت کے مطابق نمازِ جنازہ، امیر یزیدؒ نے پڑھائی جو کہ ایک بڑا اعزاز تھا اور قسطنطنیہ کی فصیل [ستارہ نشان] کے قریب دفن کیا)۔ اُس وقت امیر لشکر، امامِ صلوٰۃ بھی ہوتا تھا یعنی تمام فوج اس کی اقتداء میں نمازیں پڑھتی تھی۔ ظاہر ہے کہ یزیدؒ صالح اور متقی تھے ورنہ ان کی اقتداء میں صحابہ کرامؓ اور دیگر مسلمان نمازیں کیوں پڑھتے؟

اوپر والی حدیثِ **مغفور لہم** کا مصداق بننے والوں میں اس مبارک لشکر اسلام کے سپہ سالار اور کمانڈر اعلیٰ حضرت معاویہؓ کے فرزندِ ارجمند امیر یزیدؒ پہلے نمبر پر ہیں۔ ان کا فاسق و فاجر اور ظالم و جابر ہونا بُہتانِ بلا دلیل اور حدیثِ مذکورہ بالا کی کھلی ہوئی تکذیب ہے۔ اس مبارک کلام کے عموم سے ذاتی تعصب کی بنا پر کوئی عذر تراش کر کے کسی خاص فرد کے "خروج" کا احتمال پیدا کرنا نبی کریمﷺ کی بے ادبی اور گستاخی ہے (العیاذ باللہ) اس حدیثِ صحیح کا مطلب یہ ہے کہ شرکاء غزوۂ قسطنطنیہ کسی گناہِ کبیرہ کے مرتکب نہیں ہوں گے، اسی طرح کسی صغیرہ گناہ پر بھی کبھی اصرار نہیں کریں گے۔ لہٰذا از روئے فرمانِ نبویﷺ یزیدؒ کی مغفرت ہو چکی یعنی جنت واجب ہو گئی۔ حدیثِ صحیح **مغفور لہم** کے مطابق جس شخص کے جنتی ہونے کی سردارِ دو جہاںﷺ خبر دیں، اسے موجودہ دور کے کم عقل اور بد نصیب مسلمان فاسق و فاجر سمجھیں، حالانکہ انہوں نے نہ اُس کا کوئی فسق و فجور دیکھا

ستارہ نشان] کچھ عرصہ قبل غزہ (فلسطین) کے نہتے عوام پر اسرائیل کی تباہ کن بمباری و مظالم کے ضمن میں موجودہ مسلمان] حکمرانوں کی بے حسی اور بے غیرتی کے برعکس یزید کی فقید المثال دینی حمیت اور جراتِ ایمانی ملاحظہ ہو کہ جب حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی میت کو ان کی وصیت کے مطابق دشمن کی سرزمین میں فصیلِ قسطنطنیہ کے پاس دفن کیا گیا تو قیصرِ روم نے یہ اطلاع پا کر دھمکی دی کہ وہ ان کی لاش کو نکال کر باہر پھینک دیں گے۔ یہ سن کر یزید غصے میں بے قابو ہو گیا اور اپنی فوج کو پوری قوت سے حملہ کرنے کا حکم دیا اور خود بھی بجلی کی طرح رومی لشکر پر جھپٹ پڑا اور اسے پسپا کرتے ہوئے قلعہ کے دروازے پر پہنچ کر اس زور سے اپنا گرز مارا کہ اس میں شگاف پڑ گیا۔ اس موقعہ پر یزید نے اہل قسطنطنیہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ اگر رومیوں نے صحابیِ رسولؐ کی قبر کی بے حرمتی کی تو پوری سرزمینِ اسلام میں نہ کوئی گر جا سلامت رہے گا اور نہ ہی کوئی عیسائی زندہ بچے گا۔ یہ گرج دار تقریر سن کر قیصرِ روم پر لرزہ طاری ہو گیا اور

اس نے قبر کی حُرمت و حفاظت کا ذمہ اٹھا کر یزید سے امان پائی۔ (تلخیص از "ناسخ التواریخ" جلد ۲، ص ۲۶ و "العقد الفرید" ج ۳، ص ۳۶۸)

ہے اور نہ اس کی کوئی معتبر شہادت موجود ہے

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی غیر مشروط ہے۔ کیا یہ جنت کی بشارت کسی ایسے شخص کے لئے ہو سکتی تھی، جو بعد میں فاسق و فاجر ہو جائے، تارکِ صلوٰۃ ہو جائے، لہو و لعب میں پڑ جائے، تمام اخلاقی حدود سے تجاوز کر جائے، بندشِ آب کا حکم دے، نواسۂ رسول ﷺ کی نعش کی بے حرمتی کرے یا کسی بھی درجے میں تقویٰ کی راہ سے ہٹ جائے؟ جو لوگ ایسا کہتے ہیں اور یزیدؒ میں اس قسم کے نقائص تلاش کرتے ہیں، وہ رسالت مآب ﷺ کی اس بشارتِ جنت کی توہین کرتے ہیں!

چوں کفر از کعبه برخیزد کجا ماند مسلمانی؟ ؎

(iii) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جس مسلمان نے مجھے دیکھا اس کو جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی یا جس نے میرے (صحابہؓ کو دیکھا (یعنی تابعیؒ) اسے بھی جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی" (ترمذی

امیر المؤمنین یزیدؒ، افضل التابعین تھے کیونکہ ان کے عہدِ خلافت میں تین سو عالی مرتبت صحابہؓ حیات تھے جن کی زیارت و صحبت سے وہ فیض یاب ہوئے۔ لہٰذا یہ عظیم الشان جماعتِ صحابہؓ جس کو اپنا امام بنائے وہ امام صالح و عادل اور خلیفہ برحق کیونکر نہ ہو؟

یاد رہے کہ تحفظِ ناموسِ یزیدؒ سے صحابہؓ کی عزت و عظمت اور اجتماعی عقیدہ "صحابہؓ کلهم عدول" (یعنی اصحابِ رسول ﷺ سب کے سب عادل و ثقہ تھے) کی حفاظت مطلوب ہے۔ بنا بریں یزید کو شرابی، کبابی کہنے والوں کو توبہ و استغفار کرنی چاہیے کہ وہ ایک جلیل القدر تابعی کو دشمنانِ صحابہؓ کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر کس طرح بدنام کر کے اپنی آخرت کو برباد کر رہے ہیں۔ سوچنے کا مقام ہے کہ جس خوش بخت انسان (امیر لشکر جہادِ قسطنطنیہ) کو لسانِ نبوت ﷺ (یعنی اللہ کے آخری نبی ﷺ جن کے بارے میں قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ ایک حرف بھی آپ کے دہنِ مبارک سے ایسا نہیں نکلتا جو کہ خواہشِ نفس پر مبنی ہو بلکہ وہ اللہ کی بھیجی ہوئی وحی اور اس کے حکم کے مطابق ہوتا ہے۔ سورۃ النجم، آیت ۳-۴) نے جنت کی بشارت دی ہو تو اُسے آج کے مسلمان کیسے بدبخت اور ملعون کہنے کی جسارت کرتے ہیں؟

توبہ و تائب ہونے میں ہی نجات ہے کیونکہ ہم نے خود دشمن کی یلغار کے لیے راستہ

ہموار کیا ہے ؎ اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے!

(iv) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "سب سے بہتر میرے زمانے کے لوگ (صحابہؓ) ہیں، پھر وہ جو ان سے متصل ہیں ((تابعینؒ) پھر وہ جو ان کے متصل بعد ہیں (یعنی تبع تابعینؒ)"۔ (بخاری و مسلم

علامہ زرارہ بن اوفیٰ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں (ترجمہ) "قرن ایک سو بیس (120) سال تک شمار ہوتا ہے، پس رسول اللہ ﷺ جس قرن میں مبعوث فرمائے گئے، اس کا آخری زمانہ یزید بن معاویہؓ کی وفات تک ہے" (طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۲۹۰، و البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر، ج ۸، ص ۲۲۹)

ھ تا۱۵۰ (iii) ھ سے ۱۵۰ھ تک اور۹۶ (ii) ،تا ۹۶ھ تک ۱ (i) مذکورہ بالا حدیث میں بیان کئے گئے ان تینوں ادوار {یعنی ۲۲۰ھ} میں مسلمانوں کی ملی وحدت قائم رہی اور وہ قرآن و سُنت کے احکام پر متواتر عمل کرتے رہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ الصادق الامین سید المرسلینﷺ کے ارشادِ خیر القرون (قرنی الحدیث) کے مطابق خلیفۃ المسلمین، یزید بن معاویہؓ کا زمانہ قرنِ صحابہؓ ہونے کی بنا پر خیر القرون کی حدود میں داخل تھا مگر دشمنانِ صحابہؓ اپنی ریشہ دوانیوں اور فتنہ پردازیوں سے معاذ اللہ اُسے شر القرون ثابت کرنا چاہتے ہیں گو کہ ایک مومن کا فیصلہ یقیناً یہی ہو گا کہ رسول اللہﷺ کی حدیث سچی اور سراپا صدق ہے۔ یہ سبائی مؤرخین اور معاندین یقیناً جھوٹے ہیں اور خلیفۂ سادس، یزید بن معاویہؓ پر جو الزام انہوں نے لگائے ہیں وہ سب غلط ہیں۔ کذابوں کی لغو اور جھوٹی باتوں سے حقائق نہیں بدل سکتے۔

لہٰذا اہلِ علم حضرات پر یہ بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ عشرۂ محرم کی محافل و تقریبات میں وہ صحیح اور مستند احادیث کے مقابلے میں من گھڑت اور جھوٹی تاریخی روایات کی خوب اور پرزور تردید کریں کیونکہ امیر المؤمنین، یزید بن معاویہؓ کی برأت اور منقبت مندرجہ بالا چار مستند احادیث سے ثابت ہے۔ لہٰذا کسی مسلمان خلیفہ کے بارے میں ایسی کوئی بات کہنا جو کہ ان احادیث سے متصادم ہو، قطعاً حرام اور تقاضائے ایمان کے خلاف ہے۔

یہاں ہمارا سوال ان سُنیوں سے بھی ہے، جو یزیدؒ کو فاسق و فاجر اور ظالم و جابر کہنا واجب و فرض سمجھتے ہیں اور اس تبرا بازی اور شوقِ سب و شتم کو سُّنیت کی علامت کہتے ہیں

اور اس طرح نادانستہ شیعی افکار و تصورات کی تشہیر کرتے ہیں، وہ ان چار احادیثِ مبارکہ کو کیسے جھٹلائیں گے جن کا خلیفۂ سادس، یزید بن معاویہؓ پر اطلاق ہوتا ہے؟ کیا یہ احادیثِ رسولﷺ کی (Directly or Indirectly) بالواسطہ یا بلاواسطہ کھلی ہوئی تکذیب ہے یا نہیں؟ کیا وہ توہینِ رسالت کے مرتکب نہیں ہو رہے؟ انہیں اپنی روش سے توبہ کرنی چاہیے۔ وما علینا الا البلاغ۔

بخاری شریف (ج ۲، ص ۶۰۹) کی روایت کے مطابق حضرت علیؓ نے رسول اللہﷺ کے وصال کے بعد چھ ماہ (یعنی (10) وفاتِ فاطمہؓ) تک حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بیعت نہیں کی مگر خلیفۃ الرسولﷺ، حضرت ابو بکرؓ نے ان سے تعارض نہیں کیا اور جب حضرت فاطمہؓ وفات پا گئیں تو تب حضرت علیؓ نے اپنے موقف سے رجوع کر کے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کر لی۔ اسی طرح خلیفۂ سادس، یزید بن معاویہؓ کا حضرت حسینؓ سے جبری بیعت خلافت لینے کا کوئی پروگرام نہ تھا مگر بزبانِ ایرانی شیعہ شاعر یہ مشہور کر دیا گیا: ؎ سرداد نداد دست در دستِ یزید۔ اس مصرعہ میں غالی شیعہ مؤلف یہ بتا رہا ہے کہ حضرت حسینؓ نے امیر یزیدؒ سے بیعت کرنی گوارہ نہیں کی بلکہ اپنی جان دے دی حالانکہ یہ حضرت حسینؓ پر بُہتانِ عظیم ہے کیونکہ حقائق پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ اُن کو شہید اس لئے کیا گیا تھا کہ وہ یزیدؒ کی بیعت کرنے پر راضی ہو گئے تھے **!**لیکن شیعانِ کوفہ آڑے آگئے اور حضرت حسینؓ کو نہایت بے دردی اور سفاکی سے خاک و خون میں تڑپا دیا

حقیقت یہ ہے کہ کوفیوں کے خطوط اور وفود کے تناظر میں کوفہ کے سفر سے حضرت حسینؓ کا مدعا حالات کا جائزہ لینا تھا نہ کہ خروج (گو کہ بعض مؤرخین نے اسے "خروج" کے نام سے تعبیر کیا ہے)۔ ان مؤرخین کے خیال میں حضرت حسینؓ کو "خروج" پر اُکسانے کی ذمہ داری کسی حد تک اُن کی ایرانی بیوی شہر بانو (جو کہ ایران کے بادشاہ یزدگرد کی بیٹی تھی اور حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں ایران کی فتح کے بعد حضرت حسینؓ کے عقد میں آئی تھی) پر عائد ہوتی ہے، جس نے اپنے کوفہ کے حواریوں کے ذریعہ حضرت حسینؓ اور یزیدؒ کے درمیان غلط فہمیوں کو جنم دے کر تعلقات کو خراب کیا اور بد اعتمادی کی فضا پیدا کی حالانکہ دونوں قریبی رشتہ دار تھے اور ایک دوسرے کی عزت و احترام کرتے تھے۔ حضرت حسینؓ کے بیٹے زین العابدینؒ شہر بانو کے ہی

بطن سے تھے اور بحوالہ "طبقات ابن سعد" (ص ۴۱۵) وہ یزیدؒ کے معتقد تھے۔

الغرض حضرت حسینؓ اور یزیدؒ کے درمیان کوئی عداوت نہ تھی اور نہ ہی ان کا آپس میں کوئی تقابل ہو سکتا ہے۔ ہمیں حضرت حسینؓ کی عزت و حرمت کا پاس زیادہ ہے کیونکہ حضرت حسینؓ صحابی ہیں (گو ان کا شمار صغارِ صحابہؓ میں ہوتا ہے کہ وصالِ نبی اکرمﷺ کے وقت ان کی عمر فقط پانچ سال تھی) اور یزیدؒ تابعی۔ امیر یزیدؒ مغفور خواہ کیسے ہی صالح اور متقی ہوں، حضرت حسینؓ کی برابری نہیں کر سکتے، جس طرح حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کی خاکِ پا کی برابری بھی نہیں کر سکتے۔ حضرت حسینؓ کا مرتبہ یزیدؒ سے بلند و برتر ہے۔ انہیں حضرت حسینؓ کے مقابلے میں نہیں لایا جا سکتا کیونکہ رتبۂ صحابیت عند اللہ بہت بلند ہے۔ کسی غیر صحابی کی رسائی اس مرتبہ تک کبھی نہیں ہو سکتی!

ستارہ نشان] ...... حضرت حسینؓ بڑے دلیر اور نڈر انسان تھے۔ اگر یزیدؒ اور ان کے درمیان ذاتی یا سیاسی سطح پر کوئی رنجش] ہوتی تو وہ اس کا بلا خوف و خطر اظہار کرتے یا یزیدؒ کے کردار میں انہیں کوئی دینی یا اخلاقی کمزوریاں نظر آتیں تو اس کا معاملہ اجلۂ صحابہ کرامؓ کے سامنے پیش کرتے اور اس کے خلاف آواز بلند کرتے کہ ہم اس لئے اس کی بیعتِ اطاعت سے قاصر ہیں...... لیکن حضرت حسینؓ نے یزیدؒ کے ذاتی اوصاف یا اسلامی مملکت کے سربراہ ہونے کے ناطے سے انتظامی امور میں بد نظمی کے خلاف کسی قسم کی شکایت یا الزام تراشی کرنا اپنے ایمان کے خلاف سمجھا کیونکہ امیر موصوف کا انتخاب تو بیعتِ عامہ کے ذریعے خود صحابہ کرامؓ کے مشورے سے ہوا تھا اور ان میں اس قسم کے عیوب اور خامیاں ہو ہی کیسے سکتی تھیں؟ چنانچہ حقیقت یہی ہے کہ امیر یزیدؒ کی حکومت اسلامی نہج پر تھی۔ لہٰذا جو لوگ ظلم و ستم کے من گھڑت قصے کہانیوں کو "تاریخی حقائق" کا نام دے کر یزیدؒ پر لعن طعن کرتے ہیں تو یہ لعنت یزیدؒ کی بیعت کرنے والے صحابہ کرامؓ و تابعینؒ پر ہوتی ہے۔ (العیاذ باللہ) اس لیے ہمیں اس سے بچنا چاہیے۔

نبی اکرمﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، میرے صحابہ کے معاملہ میں! میرے بعد ان کو طعن و تشنیع کا نشانہ نہ بنانا کیونکہ جس نے ان سے محبت کی، اس نے مجھ سے محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا تو مجھ سے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا اور جس نے ان کو ایذاء پہنچائی، اس نے مجھے ایذاء پہنچائی اور جس نے

مجھے ایذاء پہنچائی، اس نے اللہ کو ایذاء پہنچائی اور جو اللہ کو ایذاء پہنچانا چاہے تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو عذاب میں (پکڑ لے۔" (ترمذی

آنحضرتﷺ کا ایک اور ارشادِ گرامی ہے کہ "جب فتنے رونما ہوں، بدعات کو فروغ ہو اور میرے صحابہؓ کو بُرا کہا جائے تو اہل علم کو اپنا علم ظاہر کرنا چاہئے، جس نے ایسا نہیں کیا، اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت۔ اللہ تعالیٰ نہ (اس کے فرض کو قبول کریں گے نہ نفل کو" (مکتوبات امام ربانی الف ثانی، مکتوب نمبر ۲۵۱

سبائی سازشیوں نے ہر دور میں نام تبدیل کر کے اسلام کے خلاف منظم تحریک چلائی۔ اس بنا پر ضروری ہے کہ ہر کس و ناکس کی باتوں پر کان نہ دھرا جائے۔ جھوٹے افسانوں اور تاریخ کی رطب و یابس باتوں پر نظریات کی بنیاد رکھنا اپنے ایمان کو ضائع کرنا ہے۔ صحابہؓ کی تقلید لازم ہے کہ اللہ عزوجل نے قرآن مجید میں خود صحابہؓ کی عظمت بیان کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحابہؓ کی عزت و ناموس کے تحفظ کے سلسلہ میں اپنی دینی و ملی ذمہ داری پوری کرنے کی توفیق دے۔ آمین

ایک اشکال یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت حسینؓ نے یزیدؒ کو حقدارِ خلافت نہ سمجھا لہٰذا انہوں نے ظلم اور باطل سے ٹکرا (11) کر اپنی ذاتِ مبارک اور اپنے خاندانِ مبارک کی خواتین اور بچوں تک کو شہید کروا کر اسلام کا پرچم بلند کیا۔

جو لوگ واقعۂ کربلا کو "حق و باطل" کا معرکہ گردانتے ہیں وہ اصل حقائق سے بے خبر ہیں۔ یہاں اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ ہمارے ہاں حُبِ حسینؓ کے قابلِ احترام پردہ میں شیعیت پنہاں ہے کہ "واقعۂ کربلا کو عام طور پر ہم سُنیوں کے

ہاں بھی ہر سال اس غلط تصور کے ماتحت ایک معرکۂ حق و باطل سے یاد کیا جاتا ہے کہ ایک فاسق و فاجر نے اسلامی تختِ خلافت پر قبضہ کر لیا تھا، جس سے اسے آزاد کرانے کی خاطر حضرت حسینؓ نے تلوار اٹھانے کی ٹھانی"۔ حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ واقعۂ کربلا کبھی اسلام اور کفر یا حق و باطل کا معرکہ نہ تھا۔ ورنہ تمام کے تمام صحابہؓ حضرت حسینؓ کے ساتھ ہوتے۔ اس کے برعکس اکابر صحابہؓ جو کہ مکہ اور مدینہ میں موجود تھے، انہوں نے حضرت حسینؓ کو کوفہ والوں کی دعوت پر وہاں جانے سے روکا کہ وہ لوگ (نام نہاد شیعانِ علیؓ جو کہ دراصل سبائی منافقین تھے) سازشی اور غدار ہیں، انہوں نے آپؓ کے والدِ حضرت علیؓ کو شہید کیا اور حضرت حسنؓ کو خنجر مار کر شدید زخمی کیا اور آپؓ سے

بھی ایسا معاملہ کرنے سے باز نہیں آئیں گے۔ آگے جا کر وہی ہوا، جس کے بارے میں ان کو اکابر صحابہؓ نے خبردار کیا تھا۔ سبائی سازش کامیاب ہو گئی مگر حسینؓ شہید ہو کر سرخرو ہو گئے، ساتھ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں حضرت حسینؓ پر ہوں ے(آمین) کیونکہ

شہادت ہے مقصود و مطلوبِ مومن

نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

حضرت حسینؓ کی اصل مظلومیت یہ ہے کہ اُن کے قاتل ہی اُن کے سب سے بڑے دوست اور ان کے غم میں آنسو بہانے والے بن بیٹھے اور اس طرح انہوں نے اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کے ساتھ ساتھ حضرت حسینؓ کی شہادت کے اصلی اسباب و محرکات کو اوجھل کر دیا، اب اگر شانِ صحابہؓ بیان کرنے سے سانحہ کربلا میں یزید کی بے گناہی ثابت ہوتی ہے تو اس سے حضرت حسینؓ کی عظمت پر کوئی حرف نہیں آتا کیونکہ حضرت حسینؓ نے جن حالات میں اور جن خبروں کی بنیاد پر جو اقدام کیا وہ برحق تھا اور ایک مجتہد ہونے کے ناطے سے اُن کے لیے اس کے علاوہ کوئی دوسرا اقدام کرنا جائز بھی نہ تھا۔ بعد ازاں حضرت حسینؓ کا تین شرائط پیش کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ انہوں نے سفرِ کوفہ کو اپنی خطاء اجتہادی تسلیم کر لیا۔ **رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَ رَضُوْا عَنْہُ۔**

سانحہ کربلا کے سلسلے میں صحیح العقیدہ لوگوں کا اجتماعی موقف یہی رہا ہے کہ حضرت حسینؓ کو ٹھیک اسی طرح دھوکہ دیا گیا جس طرح حضرت علیؓ کو دھوکہ دے کر شہید کیا گیا۔ حضرت حسینؓ نے اپنے خطبہ میں خود فرمایا کہ "میرے گروہ کے افراد نے مجھے دھوکہ دیا"۔

(خلاصۃ المصائب، ص ۴۹)

خلاصہ: کوفہ کے شیعانِ علیؓ (جو کہ اصل میں سبائی منافقین تھے) کے خطوط اور وفود پر اعتماد کر کے حضرت حسینؓ نے سفر کا آغاز کیا۔ آپؓ کو سفرِ کوفہ سے روکنے والے آپ کے قریبی رشتہ دار اور عظیم لوگ یعنی صحابہ کرامؓ تھے لیکن حضرت حسینؓ نے اپنے فیصلے میں تبدیلی نہ فرمائی۔ صحابہ کرامؓ نے حضرت حسینؓ کے موقف سے شرعاً اختلاف کیا، اس لئے نہیں کہ وہ خدانخواستہ اسلام کے بہی خواہ نہ تھے، بلکہ دین کے ان وفادار و جانثار خادموں کی نگاہ میں حقائق وہ نہیں تھے، جو حضرت حسینؓ کو بذریعہ سردارانِ منافقین کوفہ بتائے گئے تھے، اس لیے اصل صورتِ حال سے مطلع ہو کر حضرت حسینؓ کا تین شرائط پیش کرنا {یعنی (1) مکہ مکرمہ

واپس جانے دیا جائے (2) یزید کے پاس جانے دیا جائے یا لے جایا جائے کہ "میں یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دوں پھر وہ جو مناسب سمجھے میرے اور اپنے معاملے میں فیصلہ کرے" (تاریخ طبری، ج ۶، ص ۵۳۲) گویا کہ آپ یزیدی خلافت و حکومت

کو تسلیم کرنے کے لیے تیار ہو گئے تھے (3) مملکت کی کسی سرحد پر بھیج دیا جائے جہاں آپ مقیم ہو جائیں اور جہادی مہمات میں حصہ لے کر عمر گزاریں} کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ (حضرت حسینؓ) اپنے اقدام کو کفر و اسلام کے معرکے کی حیثیت نہیں دے رہے تھے، بلکہ اب وہ اس غلط فہمی سے نکل آئے تھے، جس میں مبتلا کئے گئے تھے، ورنہ کفر کے مقابل میں اسلام کے حق میں اٹھایا ہوا قدم واپس لینے کے کیا معنیٰ؟

جس دور میں واقعہ کربلا پیش آیا، اُس زمانے کے لوگوں نے اس کو کبھی کفر و اسلام یا حق و باطل کی آویزش کے رنگ میں نہیں دیکھا، بلکہ اس کو ایک افسوسناک حادثے کی حیثیت دی۔ اس حیثیت کے تعین کرنے والوں میں بڑے جلیل القدر صحابہؓ بھی شامل تھے۔ خود حضرت حسینؓ نے جب حالات کا جائزہ لے کر تین شرطیں عمر و بن سعد (جو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ عشرہ مبشرہ کے صحابیؓ اور فاتحِ ایران کے بیٹے تھے) کو پیش کیں ان میں بیعتِ یزیدؒ پر آمادگی موجود ہے۔ مگر وہ عملاً سبائیوں کی ناپاک سازش کی وجہ سے پوری نہ ہو سکی اور قبل اس کے کہ حضرت حسینؓ دارالحکومت دمشق میں جا کر اس کو پورا کرتے، راستے میں شہید کر دیئے گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

ایک اشکال یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ہمارے اکابر نے یزید کی سیرت و کردار کو اچھا نہیں سمجھا اور حادثہ کربلا کے پسِ (12) منظر میں اسے قصور وار یا مجرم ٹھہرایا ہے لہٰذا ہم اسے کیسے بیگناہ یا صالح تسلیم کر لیں۔

اس ضمن میں ایک اصولی بات سمجھ لی جائے کہ انبیاء کے بعد کوئی شخص (چاہے وہ کتنا بڑا عالم ہی کیوں نہ ہو) معصوم عن الخطا نہیں۔ ہمیں اکابر کے احترام اور اکابر پرستی میں فرق کرنا چاہئے کہ بسا اوقات ہر بات ان کے منہ یا قلم سے نکلی ہوئی صحیح یا مبنی بر حق نہیں ہو سکتی کیونکہ ان کے مآخذ کتبِ تاریخ ہیں جو کہ اخبار کی رپورٹنگ کی طرح صحیح یا غلط ہو سکتی ہیں۔ مزید برآں اکابر کی تحریرات نظر ثانی سے بے نیاز نہیں اور کسی کی تحریر کو "حرفِ آخر" نہیں کہا جا سکتا۔

یزید کا "فسق و فجور اور مظالم" سب شیعیت کا پروپیگنڈہ ہے۔ جس کے اثر سے اپنے عہد کی بڑی بڑی شخصیات بھی نہ بچ رہ چکے ہیں، انہوں نے (Head) سکیں۔ ڈاکٹر محمد اسلم صاحب جو کہ پنجاب یونیورسٹی میں شعبہ اسلامی تاریخ کے سربراہ سالہا سال کی تحقیق کی بنا پر کہا ہے کہ ہمارے سابقہ مؤرخین میں سے اکثر شیعہ تھے، جنہوں نے اسلامی تاریخ کو مسخ کر کے رکھ دیا ہے، جس کے باعث حق و باطل کے درمیان تمیز کرنا بہت مشکل ہو گیا ہے۔ چنانچہ بعض جید علماء سے بھی یہی غلطی سرزد ہوئی اور انہوں نے حضرت حسینؓ سے عقیدت اور غلو میں آکر عجلت میں چند کتب بلا تحقیق یزید کے خلاف تصنیف کر دیں۔ یہ علماء کرام جو کہ مُحبِ علیؓ و حسینؓ کے نام پر بغضِ معاویہؓ و یزیدؒ کا شکار ہو گئے تھے، انہوں نے ضعیف و من گھڑت روایات کے سہارے اور کذب و افتراء پر مشتمل پروپیگنڈے سے مغلوب و متاثر ہو کر اپنی تصانیف اور تقاریر میں یزید کی نام نہاد بد اعمالیوں کا ڈھنڈورا پیٹا اور اُسے "دشمنِ اہل بیتِ رسول ﷺ" باور کروایا، ان کا شمار چونکہ اکابر علماء میں سے ہوتا تھا، اس لیے پڑھنے والوں نے ان کی کتب کو سند سمجھا اور ہند و پاک میں اہل سُنت کی اکثریت یزیدؒ سے بدظن ہو گئی۔ افسوس کہ ان حضرات نے یزید کی مخالفت والی روایتیں نقل کرتے وقت تحقیق نہیں کی ورنہ ان کو معلوم ہو جاتا کہ یہ مجہول، مردود اور منقطع روایتیں قابلِ استدلال نہیں بلکہ واجب الرد ہیں کیونکہ سراسر جھوٹی ہیں اور قرآن مجید کا فیصلہ ہے:
(ہَاتُوْا بُرْہَانَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔ (سورۃ البقرہ، آیت ۱۱۱

ستم ظریفی یہ ہے کہ حضرت حسینؓ پر تو ظلم صرف بیگانوں نے ڈھایا مگر یزیدؒ پر ظلم ڈھانے اور جھوٹی تہمت لگا کر بدنام کرنے میں بیگانوں کے ساتھ اپنے بھی برابر کے شریک ہو گئے!

ہمارے ناقدین حضرات کی نظر خلافتِ یزیدؒ کے زمانہ میں پیش آنے والے افسوسناک حوادث پر تو فوراً پہنچی مگر اس دور میں جو فوائد و منافع اُمتِ مسلمہ کو حاصل ہوئے، وہ ان کی نظر سے اوجھل ہو گئے، امیر یزیدؒ کا دورِ خلافت بہت چھوٹا ہے (یعنی فقط پونے چار سال) مگر اس کے باوجود اس زمانہ میں افریقہ میں فتوحات ہوئیں، علمِ اسلام اس برِ اعظم میں لہراتا اور بڑھتا رہا، اسلام کی اشاعت ہوئی اور دعوتِ اسلام افریقہ کے دور دراز علاقوں تک پہنچ گئی اور بربریوں کے تقریباً تمام قبائل مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ یورپ میں اسلام کی دعوت اگرچہ حضرت معاویہؓ ہی کے زمانہ میں پہنچ چکی تھی، مگر امیر یزیدؒ کے عہدِ خلافت میں اس کے قدم

آگے بڑھے۔ دشمنِ اسلام، مدعیِ نبوت، مختار ثقفی، کذاب رافضی کا فتنہ فرو ہوا، جس سے لاکھوں گمراہوں کو ہدایت حاصل ہوئی اور دینِ اسلام محفوظ رہا۔

یہ کیسی نا انصافی ہے کہ ناخوشگوار واقعات کا تو تذکرہ کیا جائے اور انہیں شہرت دینے کی کوشش کی جائے مگر خوشگوار واقعات کو نظر انداز کیا جائے!

بعض علماء اور سیاسی لیڈر اپنے انتخابی جلسوں میں یزیدؒ پر اکثر یہ الزام لگاتے ہیں کہ اس نے اپنے دورِ حکومت میں (13) جمہوری اقدار کو پامال کیا اور رعایا پر جبر کیا۔ وہ یزیدؒ کو بطورِ آمر کے پیش کر کے اور اس کے فرضی مظالم (بطور مثل رائی کا پہاڑ بنا کر) کا ڈھنڈورا پیٹ کر اسلامی نظامِ خلافت کو بدنام کرتے ہیں۔

کاش انہیں کوئی یاد دلائے کہ ایک دن مر کر انہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں جانا ہے اور ان بیہودہ الزام تراشیوں کا وہاں جواب دینا ہوگا!

ابنِ سباء یہودی کے شیطانی منصوبے کی تکمیل میں شیعیت کے ایک جراثم زدہ شاعر نے یہ شعر کہہ کر ہمارے بعض سیاسی لیڈروں، خطباء اور سادہ لوح اہل سنّت کو خوب گمراہ کیا ہے۔

قتلِ حسینؓ اصل میں مرگِ یزیدؒ ہے اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد ؎

(گویا کہ کربلا سے پہلے اسلام نعوذ باللہ مردہ تھا حالانکہ یہ غلبۂ اسلام اور "خیر القرون" کا دور تھا)

یہ شعر عام طور پر مولانا محمد علی جوہر کی طرف منسوب کیا جاتا ہے مگر یہ ہرگز اُن کا نہیں بلکہ اس دوغلے اور منافقانہ شعر میں یزیدؒ کی مخالفت کے پردے میں اسلام اور اصحابِ رسولﷺ سے عداوت کا اظہار ہے۔ جو لوگ اصحابِ رسولﷺ کے بارے میں دل صاف نہیں رکھتے وہ یزیدؒ کے راستے یا چور دروازے سے صحابہ کرامؓ پر شب خون مار کر اپنے دل کی بھڑاس نکالتے ہیں، اس طرح یہ لوگ یزیدؒ سے نہیں، اصحابِ رسولﷺ سے بغض و عناد کا اظہار کرتے ہیں۔

اسی طرح خواجہ معین الدین اجمیریؒ سے غلط منسوب رباعی۔ شاہ است حسین، بادشاہ است حسین، دین است حسین، دین پناہ است حسین...... دراصل شیعہ عالم معین الدین کاشانی کی ہے (صرف نام کی مشابہت کی وجہ سے اہل تشیع نے یہ دھوکا دیا ہے) جہاں مؤلف یہ بتانا چاہتا ہے کہ دین نام ہے حسینؓ کا بس اور کچھ نہیں۔ نعوذ باللہ ولعنۃ اللہ علی الکذبین۔

کسی انسان کو دین یا دین کی پناہ کہنا، یہ دین اسلام سے بغاوت نہیں تو اور کیا ہے؟

افسوس یہ ہے کہ اغیار کے علاوہ اپنے لوگ بھی یزید کو بدنام کرنے میں اُن سے کم نہیں چنانچہ مولانا عبدالمجید، شیخ الحدیث، مدرسہ باب العلوم، کہروڑ پکا (ضلع لودھراں) ماہنامہ "زکریا" راولپنڈی کے شمارہ بابت دسمبر ۲۰۰۹ء بعنوان "اسلامی سال کا آغاز اور محرم الحرام" میں لکھتے ہیں کہ "حضرت حسینؓ کے خیال کے مطابق یزید کو امیر مان لینا یہ باطل کی اتباع تھی تو پھر اس پر ایسے ڈٹے کہ خاندان تو قربان کر دیا لیکن اپنا سر نہیں جھکایا۔" ان شیخ صاحب سے کوئی پوچھے کہ جب تمام صحابہ کرامؓ نے متفقہ طور پر بغیر کسی طمع و لالچ اور جبر و اکراہ کے برضا و رغبت یزیدی بیعت کر کے انہیں امیر مان لیا تو (نعوذ باللہ) کیا وہ باطل پر تھے؟ ماضی میں بعض علما بھی انہی شیخ صاحب کے موقف سے موافق تھے۔ اس قسم کی لغزشوں سے اللہ تعالیٰ کے اس قانون کا اظہار ہوتا ہے کہ انبیاء کے سوا کوئی معصوم اور غلطیوں سے مبرا نہیں۔ بنابریں علما پر لازم ہے کہ وہ "اپنے اکابر" کی کورانہ تقلید کرنے کی بجائے صحابہ کرامؓ (جو کہ معیارِ حق ہیں) کی اتباع کر کے حق کو حق اور باطل کو باطل سمجھیں۔ صحابہؓ کے مقابلے میں ان اکابر کی حیثیت ہی کیا ہے؟ سانحہ کربلا (جو کہ منافقینِ کوفہ کا انتقامی

ردعمل تھا) کو "حق و باطل" کے معرکے سے منسوب کرنا صحابہ کرامؓ پر بہت بڑا تہمتی الزام ہے اور یہ انہی لوگوں کا شیوہ ہے کہ جن کے دماغوں میں غیر شعوری طور پر کسی نہ کسی حد تک شیعیت رچی بسی ہوئی ہے۔

صحابہ کرامؓ دین کی اساس اور بنیاد ہیں کہ ان کے ذریعہ قرآن و حدیث کا علم ہم تک پہنچا اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے خلیفہ برحق، یزید بن معاویہؓ کی بیعت کی اور تاحیات اس پر قائم رہے۔ شیعی الفکر لوگوں نے جو الزام یزید پر لگائے ہیں بفرضِ محال اگر انہیں صحیح تسلیم کر بھی لیا جائے تو لازم آتا ہے کہ معاذ اللہ جو صحابہ کرامؓ اس وقت موجود تھے، وہ سب خطا کار اور گناہ گار تھے اور انہوں نے اپنا فریضہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر ادا نہیں کیا، ذرا توجہ فرمائیں کہ جو لوگ بے سرو سامانی کے عالم میں اپنی قوتِ ایمانی کے بل بوتے پر قیصر و کسریٰ سے ٹکرا گئے، وہ بھلا یزید سے ڈر کر کیوں بیعت کرتے یا انہیں بطور خلیفہ کیسے برداشت کر سکتے تھے، اگر اُن میں واقعی کوئی شرعی عیب موجود ہوتے یا وہ قتلِ حسینؓ کے جُرم کے مرتکب ہوتے؟ ایسے شیطانی وسوسے صحابہ کرامؓ اور قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کے ایمان و اخلاص کی عیب جوئی کے مترادف ہیں۔ مزید برآں اس مفروضے سے معاذ اللہ قرآنی آیت (سورۃ آل عمران، آیت ۱۱۰) کی تکذیب لازم آتی

ہے حالانکہ آیت کا تقاضا یہ ہے کہ "خیر القرون" ہونے کی نسبت سے اس وقت کا معاشرہ صالح تھا اور ایمان و تقویٰ کی روشنی سے منور تھا، قرآنِ مجید حق ہے، اس کے مقابلے میں کسی کا بیان کوئی چیز نہیں اور اس کے خلاف جس کا بھی بیان ہو وہ باطل ہے۔

امیر یزید کی خلافت (۶۰ تا ۶۴ھ) کے زمانے میں دو سو سے زائد صحابہ کرامؓ موجود تھے، جن میں بعض کا شمار اکابر صحابہؓ میں ہے، ان میں بدری صحابہؓ بھی ہیں اور اصحابِ بیعتِ رضوان بھی۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، حضرت عبداللہ بن کعب الانصاریؓ، حضرت عوف بن مالکؓ، حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ، حضرت انس بن مالکؓ، وغیرہم اجمعین۔ ان چند اسماء گرامی کے تذکرے کا مقصد یہ دکھانا ہے کہ اس وقت دورِ صحابہؓ یعنی خیر القرون ہونے کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ اس دور کے مسلم معاشرے میں عدل و انصاف اور ان کی اجتماعی زندگی میں خیر اور خوبی کو بہت نمایاں غلبہ رہا۔ اگر سر براہِ مملکت اور حکمرانِ پارٹی کو فاسق و فاجر کہا جائے تو کسی عاقل کے نزدیک اسے خیر القرون نہیں کہا جا سکتا، نیز سب صحابہ کرامؓ مجروح ہوتے ہیں اور آیاتِ قرآنی کی تکذیب لازم آتی ہے، العیاذ باللہ۔

بنابریں ہمیں مفسدین فی الارض کی غلط بیانیوں اور بہتان طرازیوں سے کوئی سروکار نہیں کہ ان کا مقصد ہی یہی ہے کہ مسلمانوں کو اپنے گرامی قدر اسلاف سے بیزار کر کے گمراہی اور بد اعتقادی کے دروازے کھول دیں۔ لہٰذا ہمارے لئے قرآن و سُنت ہی معیارِ حق اور کسوٹی ہیں اور صحابہؓ کا عمل حجت ہے، جنہوں نے اپنے نورِ بصیرت سے سبائی فتنہ کو بھانپ لیا اور قرآنِ مجید و تعلیماتِ نبویﷺ کی روشنی میں باہمی مشاورت سے نامزد خلیفہ (یزید) کی بلا تامل بیعت کر کے اُمتِ مسلمہ کو (انتشار و افتراق کے خلفشار سے بچا لیا۔ **ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ط وَ اللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ** (سورۃ الجمعہ، آیت ۴

فسقِ یزید" کا پروپیگنڈہ دراصل ایک نقب ہے عظمتِ صحابہؓ کی دیوار میں۔ اہلِ سُنت کا اٹل عقیدہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کی دینی" عظمت کو مجروح یا نظر انداز کر کے دین و ایمان میں سے کچھ باقی نہیں رہ جاتا۔ حُبِ حسینؓ اور بغضِ یزید کی آڑ میں صحابہؓ کی دین داری، دیانت و عدالت کو مشکوک یا داغ دار کرنا اور فرمانِ رسولﷺ کی تکذیب کرنا کہاں کی علم پروری ہے

(جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ اس ارشادِ باری پر غور کر لیں: **وَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ** (سورہ النور، آیت: ۵۵

نبی کریمﷺ نے فرمایا: "جس نے میرے اصحابؓ اور رشتہ داروں کو بُرا بھلا کہا، اس پر اللہ کی لعنت"، (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج ۸، ص ۱۳۹) اور نبی کریمﷺ یزید کے حقیقی پھوپھا تھے۔

ہمارے ہاں تو شیعی اثرات کی وجہ سے یزید نام ہی ایک گالی بن گیا ہے۔ حالانکہ یہ لفظ قرآنِ مجید میں اضافہ اور برکت کے معنوں میں آیا ہے۔ بنابریں آج بھی الجزائر، مراکش اور دوسرے عرب ممالک میں یزید نام کے ہزاروں لوگ پائے جاتے ہیں اور کئی صحابہؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ، محدثین و صوفیاء کا بھی یہ نام تھا جو اس کے بے عیب ہونے کی دلیل ہے۔

(14) یہ بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ اگر یزید قتلِ حسینؓ میں ملوث نہ تھے تو انہوں نے بطور خلیفہ یا حاکمِ وقت قاتلانِ حسینؓ سے انتقام (یا قصاص) کیوں نہ لیا۔

حافظ ابنِ کثیرؒ مشہور عربی تاریخ البدایہ والنہایہ، ج ۸، ص ۱۶۵ پر رقم طراز ہیں: "اہلِ عراق (کوفہ) نے حضرت حسینؓ کے پاس متعدد پیغام اور بکثرت خطوط بھیجے کہ آپ کوفہ آ جائیں چنانچہ حضرت حسینؓ اپنے اہل بیت کو لے کر ساٹھ کوفیوں کی معیت میں کوفہ روانہ ہو گئے"۔

پاکستان کے ایک تحقیقی ادارے (مجلس حضرت عثمان غنیؓ، کراچی) کراچی کے ثقہ محقق و مفکر احمد حسین کمال واقعہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے "کربلا کی سچی اور تاریخی داستان" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

کوفہ کے گورنر کو جب حضرت حسینؓ کے شہر کے مضافات موضع زُرود میں پہنچنے کی اطلاع ملی تو صورتِ حال معلوم کرنے کے لئے عمرو بن سعد اور شمر بن ذی الجوشن کو ایک دستے کے ساتھ آپؓ کے پاس بھیجا {عمرو بن سعد، حضورﷺ کے ماموں حضرت سعدؓ کے بیٹے تھے، حضرت سعدؓ آنحضرتﷺ کی والدہ آمنہ کے چچا زاد بھائی تھے اور شمر ذی الجوشن، حضرت علیؓ کے سالے تھے (یعنی حضرت حسینؓ کے ماموں تھے) ان کے چار بھانجے عباس، جعفر، عبداللہ اور عثمان بھی حضرت حسینؓ کے ساتھ قافلے میں موجود تھے۔} ان دونوں (عمرو بن سعد اور شمر بن ذی الجوشن) نے حضرت حسینؓ سے ملاقات کی اور آپ کا ارادہ و منصوبہ معلوم کیا۔ آپؓ نے فرمایا:

"میں کوفیوں کے بلانے اور اصرار کرنے پر کوفہ آ رہا تھا۔ ان کے یہ سینکڑوں خطوط میرے پاس مکہ میں آئے اور متعدد قاصد بھی زبانی پیغامات لاتے رہے۔ میں نے اپنے بھائی مسلم بن عقیل کو دریافتِ حال کرنے کے لئے کوفہ بھیجا تھا۔ ساٹھ کوفی جو اب میرے ساتھ ہیں، مسلم کا خط لے کر میرے پاس آئے کہ کوفہ آ جائیں، اہل کوفہ بے تابی سے آپ کے منتظر ہیں۔ چنانچہ ان ساٹھ کوفیوں کے ساتھ میں کوفہ کے لئے روانہ ہو گیا...... یہاں آ کر معلوم ہوا کہ کوفیوں نے مسلم بن عقیل کو دھوکہ سے قتل کر دیا ہے۔ اس لئے اب میرے سامنے یہی چارۂ کار رہ گیا ہے کہ شام چلا جاؤں اور یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اپنا معاملہ طے کر لوں"۔

عمرو بن سعد نے کوفہ کے گورنر ابنِ زیاد کو اس صورتِ حال سے اور حضرت حسینؓ کے ارادے سے مطلع کر دیا۔ عبید اللہ بن زیاد نے **قَبِلْتُ** (مجھے منظور ہے) کہہ کر منظوری دے دی...... اور ساتھ ہی احتیاطاً عمرو بن سعد اور شمر بن ذی الجوشن کو ایک دستے کے ساتھ حضرت حسینؓ کے قافلے کے ہمراہ جانے کا حکم دیا تاکہ جو کوفی حسینی قافلے کے ساتھ ہیں وہ آگے چل کر حضرت حسینؓ کو کسی اور راستے کی طرف نہ لے جائیں یا کہیں اور شرارت نہ کھڑی کر دیں۔ تاہم یہ دستہ حسینی قافلے سے ذرا فاصلہ پر رہا۔

مقامِ واقصہ سے حضرت حسینؓ نے کوفہ جانیوالی راہ چھوڑ دی اور آپ القرعا اور مغیثہ کی منزلوں سے ہوتے ہوئے دمشق کی راہ پر چل پڑے..... ۹ محرم کی شب کو العذیب اور قصرِ مقاتل کی منزلیں طے کر کے آپ نے الطف کی سرسبز و شاداب زمین میں کربلت کے مقام پر جہاں پانی کے چار چشمے بہتے ہیں قیام فرمایا۔ اسی کربلت کو کرب و بلا کے معنی پہنانے کے لئے کربلا بنا دیا گیا۔ کربلت عربی میں مرطوب جگہ کو کہتے ہیں...... کربلت دریائے فرات سے بیس میل دور اور کوفہ سے ۲۵ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ دوسرے دن حضرت حسینؓ کے ہمراہی کوفیوں نے اصرار شروع کیا کہ آپ دمشق نہ جائیں اور اپنی

خلافت کا اعلان کر کے اپنے والد کی طرح اہل شام سے جنگ کریں۔ آپ نے اس سے انکار کیا۔ ساٹھوں کوفی یہ سمجھ گئے کہ اب حضرت حسینؓ ان کے قابو میں آنا مشکل ہے لیکن ان سے جدا ہونا گورنر کوفہ، ابنِ زیاد کی گرفت میں پڑ جانا ہے جو یقیناً عبرت ناک سزا دے کر رہے گا۔ ابنِ زیاد کا فوجی دستہ بھی ساتھ ہے اس لئے ان سب کوفیوں نے باہم صلاح و مشورہ کر کے عصر و مغرب کے درمیان

کیمپ میں ہنگامہ برپا کرنے اور قافلۂ حسینی کے تمام افراد کو قتل کر کے رات کی تاریکی میں بھاگ نکل جانے کا منصوبہ بنایا۔ چنانچہ عصر کی نماز کے بعد یہ سب کے سب ایک دم حضرت حسینؓ اور ان کے اہل بیت کے خیمہ پر ٹوٹ پڑے اور حضرت حسینؓ سمیت کئی افراد کو قتل کر ڈالا۔ خیمہ میں شور برپا ہو گیا، بچے عورتیں وغیرہ خیمہ سے باہر نکل آئے ۔ کچھ لوگ دفاع اور جوابی کارروائی کرنے لگے...... اس شور و غل اور ہنگامہ کی آواز دور محافظ دستے نے بھی سنی۔ حُرّ شمر اور عمرو بن سعد حسینی کیمپ کی طرف دوڑے۔ شام کا جھٹ پٹا ہو چکا تھا۔ ان سب نے اگرچہ تمام کے تمام کوفیوں کو گھیر کر اور پکڑ پکڑ کر قتل کر ڈالا، ایک آدھ ہی بچ کر نکل بھاگنے میں کامیاب ہو سکا۔ لیکن افسوس اس دوران حضرت حسینؓ کئی زخم کھا کر شہید ہو چکے تھے...... ان کے صاحبزادے علی اکبر بھی قتل ہو گئے تھے۔ (کوفیوں نے اس سے پہلے خیموں کو آگ لگائی تاکہ خطوط جل جائیں اور ثبوت باقی نہ رہے)۔

حضرت حسینؓ کے تین صاحبزادے عبداللہ، قاسم اور ابو بکر بھی قتل کر دیئے گئے تھے۔ حضرت زینب زوجہ عبداللہ بن جعفر کے لڑکے عون اور محمد بھی مارے گئے تھے اور حضرت عقیل کے چاروں لڑکے جعفر، محمد، عبد الرحمن، عبداللہ اور عبداللہ ثانی بھی مارے جا چکے تھے۔ یعنی جب تک عمرو بن سعد، شمر بن ذی الجوشن اور حُر، خاندانِ علیؓ کو کوفیوں کے حملے سے بچانے کے لئے دوڑ کے پہنچے، اس خاندان کے اکیس افراد حضرت حسینؓ سمیت شہید کئے جا چکے تھے، حُر بھی کوفیوں کو مارتے ہوئے ایک کوفی کے وار سے قتل ہو گئے۔

یہ المناک سانحہ ۱۰ محرم ۶۱ھ مطابق ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء بدھ کے دن پیش آیا، بہر حال عمرو بن سعد اور شمر نے خاندانِ علیؓ کی نعشوں کو اکٹھا کیا ان کی نمازِ جنازہ ادا کی اور ان کو نہایت احترام کے ساتھ دفن کر دیا۔ کوفیوں کی لاشوں کو وہیں پڑا رہنے دیا بلکہ دستہ کے بعض سواروں نے انہیں پامال بھی کیا تاکہ عبرت کا سامان بن جائیں!

گورنر کوفہ، ابنِ زیاد نے خاندانِ علیؓ کے بچے کچے افراد و خواتین کو کوفہ لا کر آرام سے رکھا، کوفہ میں بعض شیعانِ علی نے خفیہ طور سے ان حضرات سے ملاقات کی، اپنی ہمدردیاں جتائیں، انہیں شام جانے سے روکنا چاہا اور مشورہ دیا کہ مکہ چلے جائیں، لیکن حضرت حسینؓ کے صاحبزادے زین العابدین (جنہیں زخمی کر کے کوفی سمجھتے تھے کہ مر چکے ہیں مگر خوش قسمتی

سے زندہ بچ گئے تھے اور اب کوفہ میں ابن زیاد، عمرو بن سعد اور شمر ذی الجوشن کی سرپرستی و دیکھ بھال میں علاج کرا رہے تھے) نے فرمایا:

”میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں، کیا تم نہیں جانتے کہ تم نے ہی میرے پدرِ بزرگوار کو خطوط لکھ کر اور فریب دے کر بلایا اور ان سے جنگ کر کے انہیں مار دیا۔

اے غدارو! اے مکارو! میں ہرگز تمہارے فریب میں نہیں آؤں گا۔ ہرگز تمہارے قول و قرار پر اعتبار نہیں کروں گا۔ میرے باپ اور میرے اہل خانہ ابھی کل تمہارے مکر سے قتل ہوئے ہیں۔ میں اسے نہیں بھول سکتا ہوں‘۔ (شیعہ کتاب ’جلاء العیون‘ باب ۵، فصل ۱۵)

یہ ہی جواب سیدہ زینبؓ نے دیا۔ آپ نے یہاں تک کہا کہ "تم ہمارے پاس گریہ و ماتم کرتے ہوئے آئے ہو حالانکہ تم نے ہی ہمیں قتل کرایا ہے، جاؤ یہ عار کا دھبہ اب رونے سے زائل نہیں ہو سکتا"۔ (ایضاً) فاطمہ بنتِ حسینؓ نے بھی اسی طرح اس کو ملامت کیا۔

خاندانِ علیؓ کے افراد کچھ عرصہ کوفہ میں گورنر ابن زیاد کے مہمان رہے۔ پھر پوری حفاظت اور آرام کے ساتھ قصرِ خلافت دمشق روانہ کئے گئے جہاں ایک مدت تک ان سب نے خلیفہ یزیدؒ کے محل میں قیام کیا جنہوں نے اپنے والد، حضرت معاویہؓ کے طریقے کے مطابق حضرت حسینؓ کے صاحبزادے زین العابدین (جو کربلا میں ۲۴ سال کے صاحبِ اولاد تھے) اور دوسرے افراد خاندان کے بیش بہا وظیفے مقرر کر دیئے اور یہ حضرات نہایت اطمینان و آرام کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے۔

بعد ازاں قیام دمشق، یزیدؒ نے قافلۂ حسینی کے باقی ماندہ افراد کو کچھ بہت دے دلا کر نہایت احترام کے ساتھ ایسے لوگوں کی معیت میں مدینہ روانہ کیا تھا جن کے احترام اور حفظِ مراتب سے اہلِ قافلہ نہایت خوشنود اور شکر گزار ہوئے۔ (تاریخ طبری، ج ۶، ص: ۲۶۶)

یہ ہے واقعہ کربلا کا مختصر جائزہ...... لہٰذا جب سرکاری محافظ دستے نے بروقت کارروائی کر کے فرار ہونے والے قاتلانِ حسینؓ کو قتل کر دیا تو قصاص کا معاملہ از خود حل ہو گیا۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت حسینؓ کی بہن، حضرت زینبؓ اور بیٹا زین العابدینؒ وغیرہ بچ نکلے اور بعد میں خلیفہ یزیدؒ کے سرکاری مہمان خانہ (دمشق) میں کئی روز تک ٹھہرے۔ سوچنے کی بات ہے کہ اگر یزیدؒ، حضرت حسینؓ کے قاتل ہوتے (جیسا کہ مخالفین کہتے ہیں) تو ایک بہن

حضرت زینب) اپنے بھائی کے قاتل کے گھر میں کیسے قیام کر سکتی تھی؟ یا حضرت حسینؓ کے بیٹے زین العابدین، یزید کے) ساتھ دستر خوان پر کیسے کھانا تناول کر سکتے تھے؟

نوٹ: واقعۂ کربلا کی اس حقیقی روئیداد کی رو سے گورنر کوفہ، ابنِ زیاد قتلِ حسین کا مجرم نہیں تھا اور نہ ہی اُس نے اس بات کا تقاضا کیا یا اصرار کیا کہ حضرت حسینؓ پہلے اُس کے ہاتھ پر بیعت کریں بلکہ اُس نے تو اُن کی دوسری شرط کو مانتے ہوئے سرکاری پروٹوکول کے ساتھ حضرت حسینؓ کو امیر یزید کے پاس دمشق روانہ کر دیا مگر راستہ میں منافقینِ کوفہ کی سازش آڑے آئی جنہوں نے اپنے آپ کو امیر یزید کے عتاب سے بچانے کے لیے حضرت حسینؓ کو دھوکے سے شہید کر دیا تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری!

یہ بھی اشکال ظاہر کیا جاتا ہے کہ اگر واقعہ کربلا میں یزید بے قصور تھے تو مدینہ کی بے حُرمتی اور قتل و غارت (15) (یعنی واقعہ حرّہ) میں تو وہ ضرور موردِ الزام ٹھہرتے ہیں۔

اہلِ سُنت کا عقیدہ ہے کہ انبیاء کے بعد صحابہ کرامؓ افضل الخلائق ہیں۔ اگر دنیا کے سارے اولیاء کرام بھی اکٹھے ہو جائیں، تو وہ ایک ادنیٰ سے صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے۔ قرآنِ مجید کا فیصلہ ہے کہ صحابہؓ کے ایمان جیسا کامل ایمان کسی کا نہیں ہو سکتا (سورۃ البقرہ، آیت ۱۳۷)۔ مزید یہ کہ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے تمام صحابہ کرامؓ کو **رَاشِدُوْنَ**، یعنی ہدایت یافتہ ہونے کی سند عطا فرمائی ہے۔ (سورۃ الحجرات، آیات ۷-۸) نبی اکرمﷺ کے ایک ارشاد کے مطابق "اگر تم میں سے کوئی اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو صحابہ میں سے کسی کے ایک مُد یا نصف مُد (یعنی کلو یا نصف کلو غلہ) خرچ کرنے کے اجر و ثواب کو نہیں پا سکتا" (ابو داؤد)۔

اہلِ سُنت والجماعت نے اصحابِ نبیﷺ کو ان کے مرتبوں کے ساتھ ساتھ عادل اور راست باز بلا تفریق مانا ہے اور یزید کو منصبِ خلافت کے لیے ولی عہد نامزد کرنے والے اور اُس کی بیعت کرنے والے یہی حضرات تھے، جن کی راست بازی اور فرض شناسی پر ذرا برابر بھی شک نہیں کیا جا سکتا۔ کاش سادہ لوح عوام اور جذبات زدہ خواص اسے سمجھیں!

امیر یزید کو بُرا بھلا کہنا دراصل صحابہ کرامؓ کو بُرا بھلا کہنے کے مترادف ہے (اور یہی دشمنانِ صحابہ کی چال اور مقصد ہے) کیونکہ صحابہ کرامؓ اور اکابرِ اُمت کے ایماء پر ہی یزید کو خلیفہ نامزد کیا گیا تھا، ورنہ نہ تو سیدنا معاویہؓ کے دل میں خواہش تھی کہ ان کے بعد ان کا

بیٹا جانشین بنے اور نہ ہی ایسا خیال کبھی یزید کو آیا تھا (البدایۃ والنہایۃ، ابن کثیر، ج ۸، ص ۸۵)۔ یزید کا خلیفہ کے طور پر انتخاب در حقیقت اُن کی اہلیت، متعدد معرکہ ہائے جہاد میں کارہائے نمایاں سرانجام دینے اور معرکۂ قسطنطنیہ میں اعلیٰ قائدانہ صلاحیت کی بنیاد پر تھا اور اس میں صحابہ کرامؓ کا مشورہ اور تائید شامل تھی اور پوری اُمّتِ مسلمہ نے اُن کو خلیفہ تسلیم کیا اور کبھی ان کے خلاف علمِ بغاوت بلند نہیں کیا۔ دراصل واقعہ حرّہ (یعنی "اہلِ مدینہ پر یزید کے مظالم کی داستان") بھی واقعۂ کربلا کی طرح جھوٹ کا پلندہ ہے اور امیر المؤمنین، یزید کو بدنام کرنے اور مسلمانوں کو اُن سے متنفر کرنے کے لیے سبائی ذہن رکھنے والوں نے گھڑا ہے لیکن یزید کا دامن ان تمام خرافات سے پاک ہے جو اُن سے منسوب کی جاتی ہیں!

واقعہ حرّہ کی اصل حقیقت

واقعۂ کربلا (محرم ۶۱ھ) کے تقریباً تین سال بعد (اواخر ۶۳ھ) مدینہ کے مضافات حرّہ میں رہنے والے ایک مخصوص گروہ نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے حامی عبداللہ بن مطیع (جنہیں سبائیوں نے اپنا آلۂ کار بنایا) کے اکسانے پر یزید کی بیعت توڑ دی اور مدینہ کے گورنر کو یرغمال بنا لیا، جس پر خلیفۃ المسلمین، یزید نے عمر رسیدہ صحابیِ رسولﷺ، حضرت مسلم بن عقبہؓ کی قیادت میں ایک لشکر بھیجا، جس نے یزید کی ہدایت کے مطابق تین روز تک بیعت شکنوں کو مہلت دی، مگر جب انہوں نے اطاعت کی بجائے تصادم کی راہ اختیار کی، تو حضرت مسلم بن عقبہؓ کے زیرِ قیادت فوج نے باغیوں کے خلاف مناسب کارروائی کر کے حالات پر قابو پا لیا۔ لہٰذا کمانڈر اُموی فوج پر یہ الزام کہ انہوں نے تین روز تک لوٹ مار، مردوں کا قتل اور عورتوں کی آبروریزی کو حلال قرار دیا صریح جھوٹ اور بہتان ہے۔

علامہ ابنِ کثیرؒ نے امام زہری کے حوالے سے ایامِ حرّہ کے دوران مدینہ منورہ میں قتل و غارت، خواتین کی عصمت دری اور صرف ایک رات میں ایک ہزار ناجائز حمل قرار پانے کی جو روایت نقل کی ہے وہ کذب، دروغ، افتراء اور بہتانِ عظیم ہے۔ ایک معزز صحابیِ رسولﷺ کی زیرِ کمان اسلامی لشکر سے ایسے گھناؤنے فعل کے ارتکاب کا گمان کرنا بھی گناہ ہے۔ اس قسم کا ظلم و ستم اور جنسی درندگی تو موجودہ دور میں امریکی اور یورپی افواج (NATO) بھی اپنے

مفتوحہ علاقوں میں نہیں کرتیں چہ جائیکہ قرونِ اولیٰ کے غیرت مند مسلمان ایسا کرتے۔ پیر آف سیال شریف مولانا قمر الدین سیالوی صاحب نے اپنی تحقیقی کتاب "مذہبِ شیعہ" میں ثابت کیا ہے کہ امام زہری چھپا ہوا شیعہ تھا جو سلف صالحین کو بدنام کرنے اور اُمّتِ مسلمہ میں انتشار پیدا کرنے کے لیے جھوٹی روایات گھڑ کر پھیلاتا تھا مگر بدقسمتی سے وہ تقیہ کی وجہ سے سُنّیوں میں اپنے نام نہاد زہد و تقویٰ کی وجہ سے مشہور ہو گیا۔ ایسے بہت سے تقیہ باز شیعوں نے سُنّی بن کر اور للہیت کا فرضی لبادہ اوڑھ کر ہماری کتبِ احادیث و تواریخ میں جعل سازی اور ملاوٹ کی ہے جس کی وجہ سے اُمّتِ مسلمہ کے بعض طبقوں میں نزاع اور گمراہی پھیل گئی ہے جس کا توڑ وقت کی اہم ضرورت ہے تاکہ عالمِ اسلام مارِ آستینوں کا قلع قمع کر کے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق بن سکے۔

واضح رہے کہ یہ واقعۂ حرّہ صرف ایک اقلیت کی بغاوت تھی، جس میں ایک تعداد تو سبائی منافقین کی تھی، جو فساد و فتنہ کے اصل بانی تھے اور کچھ صالح لوگ تھے، جو ان سبائیوں کے دامِ فریب میں مبتلا ہو گئے تھے۔

مفکرِ اسلام مولانا محمد اسحق صدیقی ندویؒ اپنی ایمان افروز کتاب "اظہارِ حقیقت" بجواب "خلافت و ملوکیت" (ج ۳، ص ۱۹۵) میں معترضین و مخالفینِ یزید کے الزامات کے رد میں لکھتے ہیں کہ "بغاوت فرو کرنے کے لئے فوج بھیجنے پر اعتراض بالکل لغو اور خلافِ انصاف ہے۔ بغاوت کو فرو کرنا اور اس کے لئے فوج بھیجنا، امیر یزیدؒ پر شرعاً واجب تھا۔ اگر وہ نہ بھیجتے تو گناہ گار ہوتے۔ مدینہ منورہ میں جو خونریزی اور اس کے احترام کے حکم کی خلاف ورزی ہوئی، اس کا گناہ باغیوں کے سر ہے۔ وہی اس کے ذمہ دار تھے۔ بغاوت کو ختم کر کے امن و امان قائم کرنا کارِ خیر اور کارِ ثواب تھا۔ ان شاء اللہ معمر صحابی، حضرت مسلم بن عقبہؓ اور ان کی ماتحت فوج کو اس کا اجر جزیل عالمِ آخرت میں ملے گا۔ اللہ تعالیٰ کا قرآنِ مجید میں حکم واضح ہے: **فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰی اَمْرِ اللّٰہِ** 'اور باغی گروہ سے قتال کرو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی اتباع کرنے پر تیار ہو جائے' (سورۃ الحجرات، آیت ۹"

واقعۂ حرّہ کے حوالہ سے جب عبداللہ بن مطیع نے برادرِ حسین سیدنا محمد بن علیؓ المعروف ابن الحنفیہؒ سے بیعت توڑنے کا مطالبہ کیا اور اس سلسلہ میں یزید کے فاسق و فاجر ہونے کی

دلیل دی، تو آپ نے بیعت توڑنے سے انکار کرتے ہوئے یزید کے فسق و فجور کی تردید ان الفاظ میں فرمائی ۔ (ترجمہ) "میں اس (یزید) کے پاس گیا ہوں اور اس کے ہاں مقیم رہا ہوں۔ پس میں نے اسے نماز کا پابند، کارِ خیر میں سرگرم، فقہ پر گفتگو کرنے والا اور پابندِ سُنّت پایا ہے" (ابن کثیر، البدایۃ والنھایۃ، ج ۸، ص ۲۳۳)۔ اسی طرح زین العابدینؒ ابن حضرت حسینؓ اور ان کی اولاد و اقارب نے واقعہ حرّہ کے دوران میں بیعتِ یزید کو برقرار رکھا اور یزید کو خط لکھ کر اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔ (الکامل لابن الاثیر ۴ / ۴۵) وہ یزید کو "امیر المؤمنین" جیسے خوبصورت لقب سے یاد فرماتے۔ "وصلی اللہ امیر المؤمنین یزید" (طبقات ابن سعد، ص ۴۱۵)

محمد بن حنفیہؒ، حضرت حسینؓ کے بھائی، اونچے درجے کے تابعی اور یزید بن معاویہ کے عینی شاہد ہیں۔ اُن کا بیان ہے کہ یزید صوم و صلوٰۃ اور سُنّتِ رسولﷺ کے پابند تھے۔ تعجب ہے دورِ حاضر کے اُن علمائے کرام پر جو یزید کے خلاف ابو مخنف لوط بن یحییٰ (موجدِ من گھرت قصۂ کربلا و حرّہ) جیسے متعصب شیعہ، مسعودی (جسے شیعہ اپنا شیخ مانتے ہیں) اور "علامہ" طبری جیسے تبرائی (جو خلیفہ راشد، حضرت معاویہؓ کے اسمِ گرامی کے ساتھ "لعنۃ اللہ" لکھتا ہے) کی روایات کو تو بلا چوں و چرا قبول کر لیتے ہیں لیکن مفسرِ قرآن، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، ابنِ حنفیہؒ اور زین العابدین ابن حسینؓ جیسے قریبی رشتہ داروں اور پاکباز لوگوں کی شہادت کو نظر انداز کر دیتے ہیں!

شیخ الصحابہؓ، عبداللہ بن عمرؓ نے تو ایامِ حرّہ میں اپنے مخصوصین و اولاد کو جمع کیا اور کہا کہ میں نے نبی اکرمﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "قیامت کے دن ہر عہد شکن کی پشت پر ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا، ہم نے اس شخص (امیر یزید) کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے نام پر بیعت کی ہے اور میرے نزدیک اس سے بڑھ کر کوئی اور عہد شکنی نہیں ہو سکتی کہ ایک شخص کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے نام پر بیعت کی جائے اور پھر اس کے خلاف جنگ شروع کر دی جائے، تم میں سے اگر کسی کے بارے میں مجھے یہ معلوم ہوا کہ اس نے اس شخص (یزید) کی بیعت توڑ دی ہے اور اس معاملہ میں کسی اور کی بیعت کر لی ہے، تو اس سے میرا اور اس کا راستہ الگ الگ ہو جائے گا" (بخاری)

واقعہ حرّہ کے حوالہ سے ایک اور تاریخی حقیقت کا تذکرہ بھی یہاں مناسب ہوگا اور وہ یہ کہ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ ولی عہدیِ یزید سے متفق تھیں۔ ان کے اتفاق کے بعد ان کے حقیقی بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا اس سے اختلاف کرنا بالکل بعید از قیاس ہے۔ مزید یہ کہ قیصرِ روم کے دار الحکومت قسطنطنیہ پر حملہ کی مہم میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ امیر یزید کی ماتحتی میں شریکِ جہاد تھے، انہوں نے ان کی امارت خوشی کے ساتھ منظور کی۔ اختلاف کی روایتیں بالکل غلط ہیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو خلافت کی کوئی خواہش نہیں تھی۔ ان اللہ والے حضرات کا قلب جاہ و اقتدار کی طلب سے پاک تھا۔ چنانچہ ایک زمانہ

تک امیر یزید کی خلافت کے قائل رہے اور ان کی اطاعت کرتے رہے۔ لیکن سبائیوں نے خلافتِ اسلامیہ کو نقصان پہنچانے، مسلمانوں کا خون بہانے اور اُمّت کے اجتماع میں پراگندگی پیدا کر کے خود اقتدار حاصل کرنے کے لئے حضرتِ موصوف کو ورغلایا۔ انہیں امیر یزید اور دوسرے اربابِ حکومت کے متعلق بہت غلط خبریں پہنچائیں۔ دوسری طرف امیر یزید اور ان کے حامیوں کو غلط خبریں دے کر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے خلاف بھڑکاتے رہے...... یہاں تک کہ ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ دونوں کی فوجیں ایک دوسرے کے مقابل ہو گئیں اور بالآخر جنگ چھڑ گئی ورنہ پہلے سے فریقین میں سے کسی کا ارادہ باہم جنگ و جدل کا نہیں تھا۔ یوں سمجھ لیجئے کہ جس طرح سبائی فتنہ پردازوں اور مفسدوں نے جنگِ جمل برپا کرا دی تھی، (حالانکہ فریقین میں سے کسی کا بھی ارادہ جنگ کا نہ تھا۔ اسی طرح یہ جنگ بھی انہوں نے برپا کرائی۔ (اظہارِ حقیقت ج ٣

الحاصل واقعہ حرّہ میں یزید کو موردِ الزام ٹھہرانا حقائق کے منافی قرار پاتا ہے۔ بنابریں روزنامہ "نوائے وقت" مورخہ ١٧ دسمبر ٢٠١٠ء کے کالم نگار عبد الرشید کا یہ کہنا قطعاً غلط اور بہتا ن ہے کہ "یزید نے شہرِ رسولﷺ پر چڑہائی کر کے وہاں کے لوگوں کا قتلِ عام اور ان کی عزت و آبرو کی غارت گری کی۔ اس شہر میں تین دن وہ قیامت ٹوٹی کہ مسجدِ نبویﷺ میں اذان نہ ہوئی"۔ ان خرافات کی تردید پہلے ہو چکی ہے پھر بھی کچھ لوگ اپنی ضد سے باز نہیں آتے۔ یہ امام باڑہ کی زبان تو ہو سکتی ہے مگر کسی سُنّی عالم یا صحافی کو یہ بہتان تراشی زیب نہیں دیتی! قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ جھوٹوں پر لعنت بھیجتے ہیں۔ لہٰذا ایسے خلافِ واقعہ بیانات اور خرافات کی تشہیر کرنے والوں کو توبہ کرنی چاہیے ورنہ وہ عند اللہ مجرم ہوں گے۔

اس ضمن میں ملاحظہ ہو تحقیقی کتاب **"اباحة المدينة وحريق الكعبة فی عهد يزيد بن معاوية بين المصادر القديمة والحديثة"** ("یزید بن معاویہ کے دور میں مدینہ کی بے حرمتی اور کعبہ کی آتشزدگی جدید و قدیم روایات کی روشنی میں" مصنف: ڈاکٹر احمد محمد العرینیان، سعودی عرب۔ ناشر: مکتبہ ابن تیمیہ، کویت)۔ یزید بن معاویہ کے دورِ خلافت میں مدینہ منورہ کی بے حرمتی اور کعبہ اللہ کی آتشزدگی کے بارے میں اکثر مؤرخین نے دروغ گوئی و مبالغہ آمیزی پر مشتمل جو روایات بغیر تحقیق کے اپنی کتابوں میں درج کر دی ہیں، فاضل مصنف نے ان کی حقیقت کو طشت از بام کیا ہے۔ اسی طرح واقعہ کربلا بمطابق روایاتِ شیعہ مؤرخین (جن پر ہماری درس کتب کا انحصار ہے) تاریخِ اسلام کا سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ جس کا پول کھول کر توڑ کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔

(16) اموی عہد میں یزید کے دور میں ایک واقعہ اور بھی ہوا جس کو بعض مؤرخین نے بہت اچھالا ہے یعنی آتشزدگیِ کعبہ یا کعبۃ اللہ کا جلایا جانا اور اموی فوج پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ اُس نے کعبہ پر منجنیق ماری اور آگ سے جلا دیا۔ اموی فوج نے یہ کارروائی اس وقت کی جب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا انہوں نے محاصرہ کیا ہوا تھا۔

سبائیت زدہ مؤرخین نے اس واقعہ کو بھی بہت بگاڑ کر پیش کیا اور اصل حقیقت کو نظر انداز کر دیا۔ واقدی کی روایت ہے کہ "عبداللہ بن زبیر کے ساتھیوں نے کعبہ کے اردگرد آگ جلا دی تھی، اس سے شعلے بھڑکے تو ہوا ان کو اڑا کر لے گئی۔ اس کے "نتیجے میں بیت اللہ کا غلاف اور چھت کی لکڑیاں جل گئیں

بلاذری کی روایت میں ہے کہ حصار کے دوران کعبہ کو جو آگ لگی تھی وہ ابنِ زبیر کے شکریوں کی وجہ سے تھی جب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ مسجدِ حرام میں قلعہ بند ہو گئے تو اس دوران مسجدِ حرام میں بہت سے خیمے نصب تھے۔ ایک خیمے سے آگ جو اٹھی تو تمام خیموں کو جلاتی ہوئی کعبۃ اللہ تک جا پہنچی یہاں تک کہ کعبہ جل گیا۔ غیر جانبدار مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ آگ کا سبب حضرت عبداللہ بن زبیر کے لشکریوں کا خانہ کعبہ میں پڑاؤ تھا۔ اس لیے یہ سانحہ رونما ہوا۔ بقولِ ابنِ تیمیہؒ، ابنِ زبیرؓ نے کعبہ کو منہدم کر کے از سرِ نو پہلے سے بہتر تعمیر کیا جیسا کہ آنحضورﷺ نے فرمایا تھا۔ (المنتقی، ص ٤٣٢(

جن روایات میں اموی لشکر کو کعبۃ اللہ جلانے کا الزام دیا گیا ہے وہ تحقیق و نظر کے

پیمانے سے معتبر نہیں۔ "اخبارِ مکہ" کے مؤلف ازرقی (متوفی ۲۲۳ھ) نے بھی ذکر کیا ہے کہ کعبۃ اللہ کے جلنے کا باعث اصحابِ ابنِ زبیرؓ تھے، انہی کی طرف سے یہ سانحہ رونما ہوا۔ بنو اُمیہ کی طرف سے منجنیق سے ڈھانے یا جلانے کا کوئی قصد ہی نہیں تھا۔

آتشزدگیِ کعبہ کا واقعہ ۳ ربیع الاول ۶۴ھ میں پیش آیا اور یہ امیر المؤمنین، یزید کی وفات (یعنی ۱۴ ربیع الاول ۶۴ھ) سے ۱۱ دن قبل کا ہے (ممکن ہے کہ اس زمانہ کے محدود ذرائعِ خبر رسانی و نقل و حمل کی وجہ سے یزید کو اس سانحہ کا علم ہی نہ ہو سکا ہو)۔ خلیفہ یزید مقبرہ باب الصغیر، دمشق میں اپنے والد کے پہلو میں دفن ہوئے۔ رضی اللہ عنہما۔

بہر حال ان تمام حوالہ جات سے جو نتیجہ سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ کعبۃ اللہ کا جلانا امیر یزید کی فوج کی کارستانی نہیں، بلکہ اکثر روایات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ حادثہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے لشکریوں کی وجہ سے پیش آیا اور یہ کہ حصین بن نمیر کی زیرِ کمان اُموی لشکر اس سے بری الذمہ ہے۔

الحاصل: امیر یزید کے دورِ خلافت میں کعبۃ اللہ پر سنگباری اور بے حرمتی کعبہ کا الزام غلط ہے بلکہ خلفائے اسلام میں یزید تو پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے کعبہ کی تعظیم و توقیر کرتے ہوئے دیبائے خسروی کا بیش بہا غلاف چڑھایا۔ (تاریخ الکعبۃ المعظمہ، ص ۲۷۱)

این سعادت بزورِ بازو نیست ...... [ستارہ نشان] ...... تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

خاتمہ بحث پر اس واقعہ کا اظہار کر دینا بھی ضروری اور مفید ہے کہ شیعوں و شیعہ نوازوں نے واقعہ کربلا و حرّہ اور آتشزدگیِ کعبہ کے سلسلے میں بکثرت روایتیں گھڑ لی تھیں۔ یہاں تک کہ حدیث کے نام پر بھی متعدد کہانیاں یزید کو معتوب بنانے کے لیے گھڑی گئیں اور رسول اللہﷺ پر افتراء پردازی کرتے ہوئے بھی انہیں اللہ تعالیٰ کا خوف نہ ہوا۔ کئی قدیم محدثین کے علاوہ دورِ حاضر کے ایک مشہور محدث علامہ محمد ناصر الدین البانی (شامی) نے ان کا باطل و موضوع ہونا ثابت کیا ہے۔ یہاں اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ کسی تاریخی روایت و حکایت کے لیے صرف اتنی بات کہ وہ حدیث کی کسی کتاب میں بھی مذکور ہے، اس کی صحت کی دلیل نہیں بن سکتی۔ اس ضمن میں ہم **رأس الحسین** (حضرت حسینؓ کے سرِ مبارک) کے مسئلے پر اُوپر روشنی ڈال چکے ہیں۔ تحقیق و ریسرچ کے بعد اب یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ یزید پر جتنے الزام رافضیوں نے لگائے ہیں وہ

سب جھوٹے اور بہتانِ عظیم ہیں اور ان کا سننا بھی جائز نہیں۔

یزید کے معاملہ میں شیعہ تو جو کچھ کہتے ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں مگر ہمارے سُنّی بلا تفریق عالم و غیر عالم بھی (17) اس بارے میں شیعہ کے اندھے مقلد ہیں۔

مبارک ہیں وہ لوگ جو صرف اپنے ہی اعمال و اقوال کا محاسبہ کرتے رہتے ہیں اور اپنے اعمال کے نتائج بھگتنے سے کبھی غافل نہیں رہتے۔ اپنی کم علمی یا غلطی کا اعتراف کر کے اصلاح کر لینا یا اپنے سابقہ موقف سے رجوع کر لینا عظمت کی نشانی ہے بصورتِ دیگر سامعین یا عقیدت مندوں کی گمراہی کا وبال واعظ، مقرر یا مصنف کی گردن پر ہوگا اور عند اللہ وہی لوگ مجرم ٹھہریں گے جو کہ عوام الناس کو بہکانے یا ورغلانے کا باعث بنے۔

نبی اکرمﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ "آدمی کے جھوٹے ہونے کے لئے صرف یہی گناہ کافی ہے کہ ہر سنی سنائی بات بیان کرے" (مسلم) یعنی بغیر تحقیق کے سنی سنائی بات بیان کرنا یا نقل کرنا گناہ ہے کیونکہ سننے والا اس پر عمل کرے گا حالانکہ کچھ پتہ نہیں کہ یہ صحیح ہے یا غلط۔

کا ہے اور کوئی شخص بھی عقلِ کل ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ خیر خواہانہ Specialisation موجودہ دور تخصص یا
مشورہ اور اعترافِ حق کو قبول کر کے رجوع کر لینا مومن کی علامت ہے۔ اسی لئے قرآنِ مجید میں بار بار غور و فکر اور
تحقیق کا حکم آیا ہے کہ حق اور باطل واضح ہو جائے۔

کی طرح کا ہے، جس میں روز نئی نئی دریافتیں سامنے آتی ہیں اور آتی (Astronomy) تاریخ کا فن تو جغرافیہ اور علمِ ہیئت
رہیں گی، اس سے ہمارے ان بزرگوں کی کوئی توہین نہیں ہوتی، جو اپنی لا علمی یا غلط فہمی کی بنا پر یزید کو بُرا کہتے اور
مانتے ہوئے اس دنیا سے چلے گئے۔ اس لئے مؤدبانہ گزارش ہے کہ اکابر پرستی کو اپنا شعار نہ بنائیں بلکہ حق پرستی کی روش
کو اپنائیں۔ عقیدت اور عصبیت میں تمیز کریں۔ اپنے مدفون بزرگوں کے ساتھ جذباتی عقیدت ایک قدرتی امر ہے مگر وہ معصوم
نہ تھے، اس لیے ان کی تاریخی معلومات و خیالات اور عقیدے میں فرق کریں۔ دونوں چیزوں کو گڈ مڈ نہ کریں۔ یزید کے معاملہ
میں چند مخصوص بزرگوں کی اندھی تقلید مزاجاً اس طرح کی تقلید ہوگی جس کو قرآنِ مجید میں بائیس الفاظ ذکر کیا گیا ہے کہ
اِنَّا وَجَدْنَا اٰبَاءَنَا عَلٰی اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰی اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ "ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا تھا اور ہم انہی کے نقشِ قدم پر چل
(رہے ہیں" (سورۃ الزخرف، آیت ۲۳

دورِ حاضر کے ہمارے اکابر کی بہ نسبت صحابہ کرامؓ (عینی شاہد ہونے کے ناطے سے) یزید کو بہتر جانتے تھے۔ جب انہوں
نے یزید میں کوئی بُرائی نہیں دیکھی تو ہمیں کیا حق حاصل ہے کہ یزید کو بُرا بھلا کہہ کر صحابہ کرامؓ کے خلاف عدمِ اعتماد کا
اظہار کریں۔ یزید سے غیر شعوری طور پر بغض و عداوت رکھنے والے علماء، مصنفین اور مؤرخین و مؤلفین بہر حال بشر
تھے اور اُن سے لغزش کا سرزد ہونا بشریت کا تقاضا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں کو معاف فرمائے اور ہمیں تعصب سے ہٹ
کر قبولِ حق کی توفیق بخشے۔ (آمین)۔

حضرت حسینؓ کے بارے میں شیخ الحدیث و مہتمم دار العلوم محمدیہ حُسینیہ، سرگودھا لکھتے ہیں (18):

آپؓ ۵ شعبان ۴ھ کو مدینہ میں پیدا ہوئے جب رسول اللہ ﷺ نے رحلت فرمائی تو آپ کی عمر ۵ سال کی تھی۔ اس کے چھ ماہ"
بعد شفقتِ مادری سے بھی محروم ہو گئے۔ ۵۶ھ میں جب امیر المؤمنین، حضرت معاویہؓ یزیدی ولایت و ولی عہدی کے سلسلے
میں صحابہ کرامؓ اور امہات المؤمنین سے مشورے کے لئے مدینہ گئے تو کچھ رد و کد کے بعد سب نے بیعت کر لی' اس بیعت
میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ اور حضرت حسینؓ سب شامل تھے جو آخر
دم تک اس بیعت پر قائم رہے گویا حضرت حسینؓ نے بھی ملت کے اس متفقہ فیصلے کو بسر و چشم قبول کیا ورنہ وہ جماعتِ
مومنین سے الگ ہو کر اپنے ہم خیالوں کی ایک علیحدہ جماعت بناتے، انہیں حکومت کے خلاف بغاوت پر آمادہ کرتے، اپنے
عزیز و اقارب کو خلیفہ کی اطاعت سے روکتے اور خلیفہ (حضرت معاویہؓ) سے پانچ لاکھ درہم سالانہ وظیفہ لینے سے انکار کر
دیتے، مگر آپؓ کی عملی زندگی سے اس قسم کا کوئی فعل ثابت نہیں......

حضرت حسینؓ، حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد یزیدی بیعت پر قائم رہے، یزید نے حضرت حسینؓ کی سابقہ مراعات کو بحال"
رکھا بلکہ انہیں مزید عطایا سے خوشحال کیا اور ان سے رشتہ داری کے تعلقات بھی قائم کئے {یعنی ان کی بھانجی اُمِ محمد کو
(اپنے عقد میں لیا}"۔ (مظلوم کربلا، ص: ۳۱-۲۹، مؤلف مولانا محمد حسین شاہ نیلویؒ

مولانا نیلویؒ کے نزدیک یہ مفروضہ ہی غلط ہے کہ حضرت حسینؓ حج کے ایام (یعنی ۸ ذی الحج) میں مکہ مکرمہ چھوڑ کر
کوفہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ دراصل ہوا یہ تھا کہ ساٹھ کوفیوں نے ان کو مع بال بچوں کے اغوا کیا، راتوں رات بھگایا اور بستانِ
بنی عامر میں جا دم لیا۔ بس یہ سب کوفیوں کا منصوبہ تھا جو آپ کو اغوا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان ظالموں نے حضرت
حسینؓ کو دھوکے سے اغوا کر کے شہید کیا، عمالِ یزید کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا اور خود محبانِ حسینؓ بن بیٹھے۔ خونِ حسینؓ

کے دعویدار بننے کی صورت میں انہیں جماعتِ مومنین اور یزید کو بر ملا سب و شتم کرنے اور اہل اسلام کے خلاف دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع ہاتھ آ گیا، اس کے لیے انہوں نے شہادتِ حسینؓ کو بڑے غلو اور مبالغہ آمیز لہجے میں اچھالا جس کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

مولانا نیلویؒ لکھتے ہیں کہ "اگر حضرت حسینؓ کا کوفی منافقین کے ہاتھوں اغوا تسلیم نہ کریں تو کہنا پڑے گا کہ حضرت حسینؓ تمام جماعتِ صحابہؓ سے علیحدہ ہو گئے وہ صابر نہ تھے تو یہ خلافِ واقعہ ہے۔ میرا نظریہ یہ ہے اور انشاء اللہ و رسولہؐ آنے ٹھیک ہوگا کہ مورخین نے اتنا تو لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے والی مکہ کے ہاتھ پر یزید کی بیعت کر لی تھی بالکل اسی طرح حضرت حسینؓ نے بھی والی مکہ کے ہاتھ پر یزید کی بیعت کر لی تھی کیونکہ نبی کریمﷺ کی تعلیم تھی: **مَن شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ** (مشکوٰۃ) یعنی "جو جماعت سے جدا ہو گیا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے"۔

(مظلوم کربلا، ص: ۱۰۵)

مخالفین کا یہ الزام کہ صحابہ کرامؓ نے ڈر کر یزید کی بیعت کی تھی تو یہ بات سرے سے غلط ہے کیونکہ جو صحابہ کرامؓ مشرکین و دیگر کفار کے سامنے سینہ سپر ہو کر لڑتے تھے وہ ایک اور صرف ایک بندے سے کیونکر ڈر گئے جبکہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ نافع و ضار صرف اللہ تعالیٰ ہے وہی فتح و شکست کا مالک ہے۔ صحابہ کرامؓ کا عزم و جزم تو ضرب المثل ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اُن کے بارے میں فرمایا: **یُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَائِمٍ** (سورۃ المائدہ، ۵۴) ترجمہ: وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہیں کرتے۔

صحابہؓ کے متعلق قرآنِ مجید (سورۃ التوبہ، آیت ۱۰۰) میں یہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ اللہ ان سب سے راضی اور وہ اللہ سے راضی ہیں اور ان کے لئے جنت کا مقامِ دوام ہے۔ اب

اس قرآنی خوشخبری کے برعکس تاریخ کی روایتیں اگر یہ خبر دیں کہ صحابہؓ کے ایمان و اخلاص، دیانت و عدالت میں کوئی شبہ ہے تو یہ روایتیں جھوٹ کا پلندہ ہوں گی، انہیں کسی طرح بھی تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ الغرض جس اُمّتی کے دل میں نبی کریمﷺ کی ادنیٰ درجہ کی محبت بھی ہوگی، وہ اصحابِ رسولﷺ کی شان میں لب کشائی کی جُرأت نہیں کر سکتا!

چند احادیثِ رسولﷺ بسلسلہ بیعت و اطاعتِ امیر المؤمنین ملاحظہ ہوں:

(i) حضرت ابو ہریرہؓ...... نبی کریمﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اطاعتِ امیر سے نکل کر جماعت میں الگ ہو کر مرا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔ (مسلم)

(ii) حضرت عبداللہ بن عمرؓ...... فرمانِ نبویﷺ ہے کہ امیر کی اطاعت سے جو ہاتھ کھینچے گا پھر اس حالت میں مر گیا تو جاہلیت کی موت مرا اور اگر دو مدعیِ خلافت ہوں اور ان میں سے پہلے کی بیعتِ مکمل رکھو اور اس کے بعد دوسرے سے بیعت کی گئی تو اس بیعت کو توڑ دو کیونکہ وہ باغی ہے (مسلم)

(iii) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ...... فرمانِ نبویﷺ ہے کہ جس کے ہاتھ پر بیعت ہو جائے اس کے بعد جو بھی اس کے ساتھ نزاع کرنے آئے تو اس کی گردن اڑا دو، خواہ وہ کوئی بھی ہو۔ (مسلم)

حضرت حسینؓ ان احادیثِ مبارکہ جو کہ (مستند اور متواتر ہیں) سے بخوبی آگاہ ہوں گے گو کہ رسول اللہﷺ کے وصال کے وقت اُن کی عمر فقط پانچ سال تھی اس لئے مولانا سید محمد حسین نیلوی شاہ صاحب کی تحقیق (بحوالہ کتاب "مظلومِ کربلا" ص: ۱۰۸) کے مطابق حضرت حسینؓ نے حدیث کی رو سے یزید کی بیعت کی تھی اور حضرت حسینؓ کے ہاتھ پر کسی نے بیعت نہیں کی۔ (مشکوٰۃ، ص: ۳۲۰) پس یہ ثابت ہوا کہ آپؓ کی گردن میں بیعت تھی، اگرچہ مؤرخین نے اس کا ذکر اپنی کتبِ تاریخ میں نہیں کیا۔

نوٹ: مولانا نیلوی صاحب کی تصنیف "مظلومِ کربلا" پر حکومتی پابندی ہے حالانکہ موصوف کی وضاحت کے باوجود ص ۱۰۰ پر ایک جملہ معترضہ پر اُنہیں سازش کے تحت انسدادِ دہشت گردی کی عدالت سے سزا دی گئی اور وہ ۲۲ ماہ کی قید کے بعد اڈیالہ جیل، راولپنڈی میں ۱۹ محرم ۱۴۲۷ھ کو انتقال فرما گئے۔ اللہ تعالیٰ کی کروڑوں رحمتیں ہوں امیرِ عزیمت پر کہ انہوں نے

تاریخ کے جھوٹے قصے کہانیوں کی ڈگر سے ہٹ کر قرآن و سنت اور صحابہؓ کے طرزِ عمل کی روشنی میں تحقیق کا حق ادا کر کے اپنی جان قربان کر دی!

(19) پروفیسر فلپ ہٹی "History of Arabs" (ص: ۲۰۱) میں کہتے ہیں کہ امیر یزید نے متواتر ۴۹ھ تا ۵۵ھ عیسائیوں کے خلاف جہادوں اور عظیم معرکوں میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ جزیرہ قبرص، جزیرہ روڈز، جزائرِ بحیرہ ایض اور بلادِ ایشیائے کوچک فتح کر لئے حتیٰ کہ خود قیصرِ روم کے دار الخلافت قسطنطنیہ پر بحری افواج سے حملہ کرنے میں اسے آزمایا جا چکا تھا۔ لہٰذا اس کے حسنِ انتظام اور ذاتی شجاعت کے پیشِ نظر ملت کی طرف سے اسے **"فتی العرب"** (یعنی عرب کا بہادر نوجوان) کا خطاب دیا گیا۔ امیر یزید ہی اسلام میں وہ پہلے اور آخری شخص ہیں جنہوں نے "بہادر ترین عرب" کا خطاب حاصل کیا۔

نہرِ یزید (جو کہ امیر المؤمنین یزید نے اپنے چار سالہ دورِ خلافت میں خاص انتظام اور ذاتی نگرانی میں کھدوائی تھی اور جس کی برکات آج تک دمشق میں بدستور جاری ہیں) رفاہِ عامہ کے متعدد کام، دشمنانِ اسلام کی سرکوبی، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے مطابق شرعی حدود کا قیام، مساجد کی تعمیر، قرآنِ پاک کی اشاعت اور ایسی دیگر خدمات جس کی وجہ سے روافض (یعنی شیعہ) یزید کے سخت دشمن بن گئے اور انہیں غلط اور لغو بہتانات کا نشانہ بنا کر عوام و خواص کو مشتعل کیا جو کہ سبائیوں کی مخصوص ذہنیت کا طریقہ واردات ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ خلافتِ بنو اُمیہ کا پورا دور عدل و انصاف، تقویٰ، اتباعِ شریعت اور دعوت الی اللہ کا دور تھا، جو ہر طرح مبارک و مسعود تھا۔ یہ حقیقت تواترِ التزامی سے ثابت اور یقینی ہے۔

امیر المؤمنین یزید کے عہدِ خلافت میں بھی "خیر القرون" ہونے کی نسبت سے معاشرہ صالح اور متقی تھا اور اجتماعی زندگی دین و تقویٰ کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی۔ ان کے دور میں بہت فتوحات ہوئیں۔ ان کے ایک ممتاز جرنیل حضرت عقبہ بن نافعؓ نے لیبیا، الجزائر اور مراکش کے علاقوں کو فتح کیا اور بحرِ ظلمات (بحر اوقیانوس) کے ساحل تک جا پہنچے۔ آگے ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر نظر آیا۔ حضرت عقبہؓ آگے بڑھے اور تلوار سونت کر گھوڑے کو سمندر میں ڈال کر اللہ تعالیٰ کے ہاں یوں عرض گزار ہوئے:

"اے اللہ! یہ سمندر اگر میرے راستے میں حائل نہ ہو جاتا

تو جہاں تک زمین ملتی، میں تیری راہ میں جہاد کرتا چلا جاتا"۔

انہی فتوحات کی خوشی میں علامہ اقبال نے اپنے اسلاف کا تذکرہ فخریہ طور پر کرتے ہوئے فرمایا تھا ؎

دشت تو دشت ہیں، دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے

بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

(20) ایک الزام یہ لگایا جاتا ہے کہ ہمارے قدیم علماء کرام کے مقابلے میں موجودہ دور کے محقق جو یزید کی چاہے جائز حمایت یا تعریف ہی کیوں نہ کریں، خارجی ذہن رکھتے ہیں یا "یزیدی" ہیں، اس لئے ان کی تحقیق کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

اس ضمن میں عرض ہے کہ علمائے کرام محترم، قابلِ صد احترام اور ہمارے لیے مشعلِ راہ ہیں، مگر تاریخ کے حوالہ سے ہم ان کی ہر بات ماننے کے مقلد نہیں ہیں۔ یزید کے بارے میں ان کی تصنیف کردہ کتب کے بیشتر مآخذ غیر معروف، غیر معتبر اور شیعی ذہنیت کے لوگ ہیں، جن کا کام ہی یزید پر کیچڑ اچھالنا ہے۔ بنابریں تاریخ تاریک ہے جب اصل ہی تاریک ہو تو نقل در نقل تمام ہی تاریک ہوگی اس لئے اس مسئلہ میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے کہ ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ مسلمان کی عزت و آبرو کا تحفظ و احترام خانہ کعبہ کی حُرمت سے مقدم ہے۔

حضرت معاویہؓ کے بیٹے یزید تابعی تھے جو کہ دورِ صحابہؓ ۲۶ھ میں پیدا ہوئے۔ صحابہؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کا زمانہ "نخیرُ القُرون" میں شامل تھا جس کے بارے میں مفسرِ قرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا: "حضرت معاویہ کا بیٹا یزید اپنے خاندان کے صالح بندوں میں سے ہے، تم لوگ ان کی اطاعت کرنا اور بیعت کرنا"۔ (انساب الاشراف، بلاذری، ج۴، ص۲) حضرت ابن عباس کے اس فرمان سے جہاں یزید کی اہلیت و صلاحیت ثابت ہو رہی ہے وہاں ان کا لوگوں کو یزید کی بیعت و اطاعت پر آمادہ کرنا بھی ظاہر ہو رہا ہے جو کہ رفض کے منہ پر طمانچہ ہے۔

امام شہاب الدین ابن عبد ربہ (متوفی ۳۲۸ھ) نے اپنی کتاب "العقد الفرید" (ج۲، ص: ۴۱۵) میں خلفائے راشدین کے خطبات کے آخر میں یزید کے خطبات بھی شامل کئے ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یزید کو دینی علوم پر دسترس حاصل تھی۔ ثقہ مؤرخین نے برسبیل تذکرہ لکھا ہے

کہ یزید نے نوعمری ہی میں لسانیت اور دینیات میں امتیازی درجہ حاصل کیا۔ قرآنِ مجید حفظ تھا اور قرآت بڑے اچھے قاری کی طرح کرتے تھے۔ خطباتِ جمعہ و عیدین میں اکثر و بیشتر قرآنی آیات اور سورتیں تلاوت کرتے اور فرماتے: **ان احسن الحدیث (وابلغ الموعظة کتاب الله۔** یعنی بہترین بات اور عمدہ نصیحت کتاب اللہ ہے (ایضاً ج ۲، ص: ۳۵۸

حضرت سعید بن مسیب المتوفی ۹۴ھ فرماتے ہیں: (بڑے خلفائے راشدین کے بعد) اسلام کے مشہور خطیب یہ ہیں: حضرت معاویہؓ، ان کے صاحبزادے امیر یزید، حضرت سعید بن عاصؓ، ان کے صاحبزادے عمر والاشدق اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ۔ (البدایہ والنہایہ، ص: ۳۱۱) یزید قریش کے خطباء میں امتیازی شان کے مالک تھے اور اپنی برجستہ اور زور دار تقریروں کی وجہ سے **الخطیب الاشدق** کہلائے۔

حضرت عبدالمطلب بن ربیعہ بن الحارث بن عبد المطلب ہاشمی (یعنی رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی) خلافتِ فاروقی میں مدینہ سے دمشق چلے گئے تھے اور وہیں سکونت اختیار کر لی تھی۔ وہ یزید سے اس کی صلاحیتوں کی بناء پر ان سے بہت محبت کرتے تھے یہاں تک کہ اپنی وفات سے پہلے انہوں نے یزید کو اپنا وصی اور وارث بنایا۔ (البدایہ والنہایہ، ج ۸، ص: ۲۱۳) اس سے یزید کے فضائل و مناقب کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

شیخ عبد المغیث بن زہیر الحربي (متوفی ۵۸۳ھ) نے تو یزید کی فضیلت میں ایک مستقل کتاب **"فضائل یزید بن معاویہ"** تصنیف فرمائی جو کہ آج کل ناپید ہے۔

:امیر یزید کے خلاف الزامات کی تردید میں بلند پایہ محققین کے اقوالِ زریں

امام ابنِ کثیرؒ کہتے ہیں کہ "مؤرخ ابنِ عساکر نے یزید بن معاویہ کی مذمت میں جو روایات نقل کی ہیں وہ سب من گھڑت ہیں۔ ان میں کوئی بات بھی صحیح نہیں ہے"۔ (البدایہ والنہایہ، ج ۸، ص: ۲۵۴)۔

شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہؒ کا مشہور قول ہے کہ "یزید بن معاویہ میں وہ برائیاں بالکل نہیں تھیں جو دشمن ان سے منسوب کرتا ہے" (الوصیۃ الکبری، ص ۳۰۰)۔ اسی طرح علامہ ابنِ قیمؒ لکھتے ہیں کہ "ہر وہ روایت جس میں امیر یزید کی مذمت پائی جاتی ہے جھوٹی ہے

المنار المنیف فی الصحیح والضعیف، ص ۲۴۰)۔)
علامہ ابنِ قیمؒ کا یہ قاعدہ کلیہ آج سے چھ سو سال قبل کا ہے۔
دورِ حاضر کے ایک محقق، مولانا عامر عثمانی، مدیر، ماہنامہ "تجلی" دیوبند نے اپنے تحقیقی مضمون بعنوان "یزید جسے خدا نے بخشا مگر بندوں نے نہیں بخشا" (جولائی ۱۹۶۰ء) میں لکھا ہے کہ "یزید کو ملعون قرار دینے والی روایات میں ایک بھی سلسلہ سند ایسا نہیں ہے، جو فنِ روایت کے معیار پر کھرا (صحیح) اُتر سکے۔ زیادہ تر تو ایسے راوی ان سندوں میں ملتے ہیں، جنہیں اسماء الرجال کی کتابوں میں کذاب، مفتری، وضاع، مدلس وغیرہ بتایا گیا ہے"۔
امام اہلِ سنت، مولانا عبد الشکور لکھنویؒ کے پوتے مولانا عبدالاعلیٰ فاروقی اپنی بصیرت افروز اور مایہ ناز کتاب "اسلام کی دس مظلوم شخصیتیں" میں ہر خاص و عام کی توجہ اس طرف مبذول کرواتے ہیں: "یزیدؒ اونچے درجہ کا متقی و پرہیز گار شخص نہ سہی لیکن شیعی پروپیگنڈے اور من گھڑت روایتوں کے ذریعہ یزید کے فسق و فجور اور حدود اللہ سے تجاوز کی جو کہانیاں بیان کی جاتی ہیں اور جس طرح اسلام کی "قانونی خلافت و امارت" کے لئے اُسے نااہل گردانا جاتا ہے، یزید کے ہم عصر صحابہؓ اور تابعینِ عظامؒ کی غالب اکثریت اسے غلط اور بے اصل سمجھتی تھی۔ یزید کے ہاتھ پر ولی عہدی اور پھر امارت کی بیعت کرنے والوں میں اکابر صحابہؓ بھی تھے اور تابعینِ عظامؒ بھی، پھر صحابہ کرامؓ میں اصحابِ بدر بھی تھے، اصحابِ بیعتِ رضوان بھی اور اصحابِ بیعتِ عقبہ اولیٰ بھی، جنہوں نے اپنے اقوال و اعمال کے ذریعہ یزید کی شراب نوشی اور دوسری فسق و فجور کی داستانوں کو غلط قرار دیا ہے، وہ اس کو امارت و خلافت کے منصب کے لیے موزوں قرار دیتے تھے اور یزید کے ہاتھ پر کی !"ہوئی بیعت کو وہ اللہ اور اس کے رسولﷺ کی بیعت گردانتے تھے
امام غزالیؒ کے خلیفہ اور شاگرد، قاضی ابو بکر بن العربی مالکی (متوفی ۵۴۳ھ) اپنی کتاب "العواصم من القواصم" میں امیر یزید کی عدالت و کمالِ علم اور صاحبِ عزت ہونے کا ذکر کرتے ہیں کہ "کہاں ہیں وہ مؤرخین جنہوں نے یزید کے خلاف (شراب اور فسق و فجور کی داستانیں لکھی ہیں۔ کیا ان کو شرم و حیا نہیں آتی؟" (العواصم من القواصم، ص: ۲۳۳
لہٰذا اے اہل حق! ہوش کے ناخن لو اور کسی تبرائی کے بہکانے پر اپنے اسلاف پر لعن طعن مت کرو

!ورنہ روزِ محشر نبی کریمﷺ کی شفاعت نصیب نہ ہوگی ،

یہ بھی الزام لگایا جاتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے اپنے بعد اپنے بیٹے یزید کو جانشین نامزد کیا اس طرح اسلام میں (21) شورائیت کو ختم کر کے ملوکیت کی بنیاد رکھی۔

سوال یہ ہے کہ کیا بیٹے کو ولی عہد بنانا شرعاً ممنوع اور ناجائز ہے؟ اگر ہے تو اس کی دلیل کیا ہے؟ مخالفینِ صحابہؓ یہ اعتراض صدیوں سے دہرا رہے ہیں مگر سوالِ مذکور کا جواب آج تک نہ دے سکے اور نفسِ ولی عہدی یا بیٹے کی ولی عہدی !کے ممنوع ہونے کی کوئی دلیلِ شرعی آج تک نہیں پیش کر سکے اور نہ قیامت تک پیش کر سکیں گے

شرعاً خلیفۂ وقت کے لئے مفادِ عامہ کی خاطر ولی عہد بنانا بالکل جائز ہے، ولی عہدی کے لئے اس پر کوئی پابندی نہیں۔ غیر کی طرح وہ اپنے بیٹے، بھتیجے یا بھائی وغیرہ کسی قریب یا بعید کے رشتہ دار کو بھی ولی عہد بنا سکتا ہے بشرطیکہ اس میں اہلیت و قابلیت اور زہد و تقویٰ موجود ہو۔ شرعی لحاظ سے اس طرح کی نامزدگی میں ذرہ برابر بھی قباحت نہیں۔ چنانچہ خود حضرت علیؓ کے بعد اُن کے بڑے بیٹے حضرت حسنؓ جانشین مقرر ہوئے مگر وہ چھ ماہ بعد مصلحتِ اُمت کی خاطر حضرت معاویہؓ کے حق میں دستبردار ہو گئے اور اس طرح رسول اللہﷺ کی پیشین گوئی پوری ہوئی کہ میرا بیٹا (حسنؓ) مسلمانوں کے (دو بڑے گروہوں میں صلح کرائے گا۔ (بخاری

حقیقت یہ ہے کہ خلیفۂ راشد، سیدنا معاویہؓ نے خود یزید کو ولی عہد نہیں بنایا تھا بلکہ جمہورِ مسلمین نے جن میں صحابہ کرامؓ بھی تھے، اُمّہات المؤمنینؓ بھی تھیں، اکابر تابعینؒ اور لاکھوں صالح اہل ایمان بھی تھے، امیر یزید کو حضرت معاویہؓ کا جانشین منتخب کیا تھا۔ ایک جلیل القدر صحابی، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے ان کی ولی عہدی کی تجویز پیش کی اور جمہورِ مسلمین، صحابہؓ، اُمّہات المؤمنینؓ، اجلہ تابعینؒ اور عام صالح مومنین نے اس کی تائید کی۔ اس طرح یزیدؒ ولی عہد مقرر ہوئے۔

الغرض حضرت معاویہؓ کا یزید کو ولی عہد بنانا شرعاً بالکل جائز تھا جیسے حضرت حسنؓ کو ولی عہد بنانا حضرت علیؓ کے لیے جائز تھا۔ اس پر اعتراض کرنا شریعتِ مقدسہ پر اعتراض اور اس کا مقابلہ کرنا ہے۔ (العیاذ باللہ)

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ بالفرض یہ فیصلہ اگر تنہا حضرت معاویہؓ کا بھی

ہوتا تو بھی رائج ہوتا۔ شاہ اسماعیل شہیدؒ نے لکھا ہے کہ خلیفۂ وقت کے اجتہاد کے مقابلے میں کسی دوسرے مجتہد کا اجتہاد قابلِ قبول نہیں مگر اس شرعی اختیار کے باوجود حضرت معاویہؓ نے امیر یزید کو تنہا اپنی رائے سے ولی عہد نہیں بنایا تھا بلکہ تقریباً تین سو صحابہ کرامؓ اور ہزاروں اجلہ تابعینؒ کی رائے سے بنایا تھا اور جمعہ کے خطبے کے دوران یہ دُعا مانگی تھی:
"یا اللہ! اگر میں نے یزید کو اس کی قابلیت و لیاقت دیکھ کر ولی عہد بنایا ہو تو اسے اس مقام تک پہنچا دے، جس کی میں نے اس کے لیے اُمید کی ہے اور اس کی مدد فرما اور اگر مجھے اس کام پر صرف اس کی محبت نے آمادہ کیا ہو، جو باپ کو بیٹے کے ساتھ ہوتی ہے تو منصبِ خلافت تک پہنچنے سے پہلے ہی تو اس کی روح قبض کر لے" (تاریخ اسلام و طبقات المشاہیر والاعلام، ج ۲، ص ۳۶۷، مکتبہ القدسی، قاہرہ {مصر} ۱۳۶۸ھ علامہ جلال الدین سیوطی نے بھی تاریخ الخلفاء میں حضرت معاویہؓ کی یہ دعا نقل کی ہے)۔
یہ دعا تو کسی سراپا اخلاص و للہیت، اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی یاد سے منور قلب اور اس کی اطاعت و ذکر میں مشغول زبان ہی سے نکل سکتی ہے۔ حضرت معاویہؓ بلند پایہ صحابیؓ، کاتبِ وحی، خال المؤمنین اور امام المتقین تھے۔ بلا شبہ انہوں نے امیر یزید کو اخلاص کے ساتھ صرف ان کی اہلیت اور مصلحتِ اُمت کو پیشِ نظر رکھ کر خالصتاً لوجہ اللہ ولی عہد بنایا یا اس کام میں محبتِ پدری کو ذرہ برابر بھی دخل نہ تھا۔ اور نہ ہی خلافت کو موروثی بنانے کا غلط تصور کبھی سیدنا معاویہؓ کے ذہن میں آیا تھا۔
الحاصل: شورائی نظام کے تحت یزید کی ولی عہدی کے لیے نامزدگی ہوئی اور پوری اُمت اور سب اربابِ حل و عقد نے اس سے اتفاق کیا۔ حافظ ابنِ کثیرؒ نے لکھا ہے کہ جس اہتمام سے یزیدی بیعت لوگوں نے بغیر کسی اختلاف سے کی اس اہتمام سے کسی ماقبل خلیفہ کی بیعت آج تک نہیں ہوئی تھی۔ (البدایة والنهایة، ج ۸، ص ۸۰)
(22) ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ یزید کی بطورِ خلیفہ نامزدگی سے صحابہ کرامؓ بالخصوص حضرت حسینؓ کی حق تلفی ہوئی جس کی وجہ سے انہیں مجبوراً لانگ مارچ (یعنی کوفہ کا سفر) کرنا پڑا۔

ہر انسان کی قدر و منزلت اس کی ملی و ملکی خدمات اور تقویٰ و طہارت کی بنا پر ہوتی ہے نہ کہ حسب و نسب کے لحاظ سے۔ یزید کی روم کے دار الحکومت قسطنطنیہ پر لشکر کشی، تین سالہ امارتِ حج، امتِ محمدیہ کے انتظامی امور سلطنت احسن طریقے سے چلانے کی اہلیت و قابلیت، ملکی فتوحات اور دیگر فلاحی کارنامے ایسے ہیں جو کہ مخالفین کے پروپیگنڈہ کے باوجود قابلِ فراموش نہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یزید بیعت کے اہل اور موزوں تھے اگرچہ ان کا مقام حضرت حسینؓ (صاحبِ مقامِ صحابہؓ اور نواسۂ رسول ﷺ) کے مقام سے بہت ہی کم تھا لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا رہتا ہے کہ مفضول افضل کا امام ہوتا ہے جیسے رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی اقتدا میں نماز پڑھی تھی اور حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اپنے شاگرد امام ابو یوسفؒ کی اقتدا میں نماز پڑھی۔

یزید کا سارا خاندان صحابیؓ اور خود یزید تابعی جو ۲۶ھ کو عہدِ عثمانی میں پیدا ہوئے اور انہوں نے سوائے شیخین (ابو بکر و عمرؓ) اکثر جلیل القدر صحابہ کرامؓ کی صحبت میں رہ کے بہت کچھ علمِ دین اور تربیت حاصل کی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی ایسا صحابیؓ نظر نہیں آتا جس نے یزید کی بیعت نہ کی ہو۔ لہٰذا اگر کوئی کہے کہ حضرت حسینؓ حق پر تھے کہ انہوں نے یزید کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تو معلوم ہوا کہ تمام صحابہؓ جنہوں نے بیعت کی (نعوذ باللہ) کافر ہو گئے۔ حالانکہ قرآنِ مجید کا فیصلہ ہے اولٰئک هم المومنون حقا۔ (سورة الانفال، آیت ۴)۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی بات تو جھوٹ قطعاً نہیں ہو سکتی!

(واللہ یقول الحق وهو یهدی السبیل ۔ (سورة الاحزاب: آیت ۴

حدیثِ نبوی ﷺ ہے: "جب تم اُن لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کرامؓ کو بُرا بھلا کہتے ہیں اور انہیں ہدفِ تنقید بناتے ہیں تو ان سے کہو **"لعنۃ اللہ علی شرکم"** یعنی "خدا کی لعنت ہو تمہارے شر پر"۔ فرمانِ نبوی ﷺ سے ظاہر ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ کی مدافعت کرنا اور ناقدین کو جواب دینا مسلمانوں پر فرض ہے۔

امیر یزید کو ایک یہ بھی اعزاز حاصل ہے کہ وہ حضورِ اقدس کے تقریباً ۵۶ سال بعد ولیِ عہد ہو گئے۔ اس اعتبار سے ان کا زمانہ نبوت کے قریب ہے، اس وقت بہت سے صحابہ کرامؓ موجود تھے جیسے شیخ الصحابہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جو کہ تقویٰ و پرہیز گاری کے لحاظ سے یزید ہی نہیں بلکہ تمام ہم عصر صحابہ میں سے بھی زیادہ افضل تھے۔

امیر المؤمنین یزید کا عہدِ خلافت "خیر القرون" کا زمانہ تھا۔ صحابہ کرامؓ کی بڑی جماعت موجود تھی۔ اس دور میں تو کوئی فاسق و فاجر اور بے دین مسندِ خلافت پر بیٹھ ہی نہیں سکتا تھا بلکہ ایسے فاسق و فاجر کا مسندِ خلافت پر بیٹھنا صحابہ کرامؓ کے ضعفِ ایمانی کی غمازی کرتا ہے جو کہ صرف شیعہ مذہب کا ایمان ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ در پردہ رافضی لوگ تمام صحابہ کرامؓ کو کافر سمجھتے ہیں اس لئے ان کے شاعر کی زبانِ بے لگام سے یہ الفاظ نکلے ـہ حقا کہ بنائے لا الہ است حسین۔ اس مصرعہ میں رافضی کا غالی مؤلف یہ بتانا چاہتا ہے کہ حضرت حسینؓ ہی بنائے لا الہ ہیں حالانکہ یہ خالص شرک فی النبوت ہے کیونکہ بنائے لا الہ تو رسول اللہ ﷺ نے قائم فرمائی تھی۔ آنحضرت ﷺ کو جس طرح نفاذِ شریعت کا اہتمام تھا اسی طرح ناموسِ صحابہؓ کی حفاظت کا بھی اہتمام تھا کیونکہ انہی پر سارے دین کا دارومدار تھا۔

ہمیں یہ تسلیم کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہونی چاہئے کہ حضرت حسینؓ اور یزید کے بارے میں تاریخ ہماری صحیح رہنمائی نہیں کرتی۔ تاریخ کیونکہ صدیوں کے بعد لکھی گئی ہے اس میں بھی زیادہ تر ہاتھ غالی تقیہ باز شیعہ کا ہے اور بظاہر ان کے تصنع سے متاثر ہو کر بعض اہل السنہ مؤرخ بھی کبھی پرکھی مارتے گئے ہیں جو بعد کے آنے والوں کے لئے موجبِ نزاع بن گئے۔ اس لئے تاریخ (اور وہ بھی مسخ شدہ تاریخ) کو حجتِ شرعیہ نہیں سمجھا جاتا۔ حجتِ شرعیہ صرف چار ہیں، نصِ قرآن، احادیثِ صحیحہ، اجماعِ صحابہؓ اور قیاسِ مجتہدین۔ لہٰذا ہم قرآن و حدیث اور تعاملِ صحابہؓ کو چھوڑ کر تین صدیوں بعد کی عجمی مؤرخین کی تاریخ کے کوئی پابند نہیں۔

قرآن و سنت اور تعاملِ صحابہؓ کی رو سے یزید فاسق و فاجر نہ تھے۔ اس لئے بفرضِ محال اگر تمام مؤرخین اور شعراء نے یزید کے فسق و فجور پر اجماع کر لیا ہو تو وہ اجماع مردود ہے بلکہ اس اجماع کی حیثیت اس اجماع کی سی ہے جو یہود اور نصاریٰ کا اجماع ہوا ہے اس بات پر کہ واقعی (معاذ اللہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دے دی گئی اور وہ سارے صلیب دیئے جانے پر تواتر کے مدعی ہیں۔ اس طرح اگر یہود و نصاریٰ کے اس جعلی اجماع کی طرح تین صدیوں کے بعد والے عجمی مؤرخین کا اجماع مان لیں تو معاذ اللہ یہ تعلیمِ نبوی ﷺ کے خلاف باطل کی اتباع ہو گی جس کی اسلام ہرگز اجازت نہیں دیتا۔

خلیفہ کی شرعی حیثیت کے بارے میں یہ واضح کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ چند اشخاص

کے اختلاف یا مخالفانہ رویے سے انعقادِ خلافت میں خلل واقع نہیں ہوتا اور اگر ایسا ہوتا تو کسی خلیفہ کی امامت و خلافت بھی منعقد نہ ہوتی۔ انعقادِ خلافت کے لئے صرف اربابِ حل و عقد و جمہور کا اتفاق شرط ہے۔ یہاں یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ حضرت ابو بکر کی بیعت پر اُمّت کا جو اجتماع ہوا تھا وہ حضرت علیؓ کی بیعت پر نہ ہو سکا تھا بلکہ بقول علامہ ابنِ تیمیہ اور مجدد الف ثانی تقریباً آدھے صحابہ کرامؓ نے حضرت علیؓ کی بیعت نہیں کی مگر اس کے باوجود اُن کی خلافت منعقد ہو گئی تھی۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اجماعِ اُمّت ایک شرعی حُجت ہے اس سلسلہ میں دو باتیں قابلِ غور ہیں: اول یہ کہ صحابہ رسول ﷺ کا اجماع کبھی اور کسی صورت میں بھی غلط اور جھوٹی بات پر نہیں ہوا اور نہ ہی وہ اظہارِ حق سے ڈرتے تھے۔ دوم یہ کہ

جس چیز کو تمام مسلمان، صحابہ رسولﷺ کے مشورے سے باتفاقِ رائے تسلیم کر لیں اور اس پر راضی ہوں تو اللہ تعالیٰ بھی اس کام کو پسند فرماتے ہیں۔ محققینِ عہدِ خیر القرون کی آراء کے مطابق اصحابِ رسولؐ نے یزید کو خلیفہ نامزد کرنے میں اتفاق فرمایا اور کسی نے بھی اس فیصلے پر اعتراض نہیں کیا۔ لہٰذا خلافتِ یزید پر صحابہ کرامؓ کے اجماع سے شرعی حُجت قائم ہے اور اس پر اعتراض کرنا عقل اور دینداری کے خلاف ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ جب صحابہ کرامؓ کے اجماع سے حُجت قائم ہوئی اور سینکڑوں اصحابِ رسولﷺ، اُمّہات المؤمنینؓ اور باقی تمام ایمان والوں نے یزید کی خلافت کو بطیبِ خاطر منظور فرما کر یہ ثابت کر دیا کہ یزید نیک سیرت اور صالح ہونے کے علاوہ مؤمنین کی قیادت سنبھالنے کی بھی صلاحیت رکھتے ہیں تو پھر تقریباً ۱۴۰۰ سال بعد میں آنے والے چند بداندیشوں کو اعتراض کرنے کا کیا حق حاصل ہے؟

کیا یہ مفسد یا نا عاقبت اندیش لوگ اُس دور کے ملی حالات اور واقعات کو صحابہ کرامؓ سے بھی زیادہ جانتے ہیں؟ اور کیا صحابہ کرامؓ امیر خلافت میں یزید بن معاویہ کے مقابلے میں حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت حسینؓ کی اہلیت و صلاحیت کی تمیز نہ کر سکتے تھے؟

صحابہ کرامؓ کی قدسی جماعت کے ساتھ تو اللہ تعالیٰ نے وعدہ حسنہ کر رکھا ہے کہ وہ وارثِ جنت ہیں۔ لہٰذا اب جو کوئی اصحابِ رسولﷺ کے انتخاب پر اعتراض کرتا ہے وہ اللہ و رسولﷺ کو جھٹلاتا ہے اور خود جہنم کا ایندھن بنتا ہے۔

ہے جو کہ منافقت اور کفر کا مرکب ہے اور صدیوں سے اس دجل و فریب کو ایسے منظم طریقہ سے پھیلایا گیا ہے کہ آج ہر کس و ناکس یزید کو بُرے القاب سے یاد کرتا ہے حالانکہ نہ یزید نے قتلِ حسین کا حکم دیا اور نہ ہی اس پر راضی ہوا بلکہ الٹا حضرت حسینؓ خود منافقینِ کوفہ کی سازش کا شکار ہوئے اور ان ہی کے ہاتھوں شہید کر دیئے گئے لیکن نام بدنام یزید کا کر دیا گیا!

شیعہ مذہب کا "مُحبِ اہلِ بیت" کا دعویٰ تقیہ (دھوکہ) ہے جس کا واحد مقصد اہلِ سُنت کو مغالطہ میں مبتلا کر کے گمراہ کرنا ہے۔ (تفصیل ضمیمہ میں ملاحظہ ہو)

مولانا عطا اللہ بند یالوی اپنی معرکۃ الآراء کتاب "واقعہ کربلا" میں شیعانِ عالم کو چیلنج کرتے ہوئے سو فیصد یقین اور دعوے سے کہتے ہیں کہ "حادثۂ کربلا کے ذمہ دار شیعانِ کوفہ تھے۔ حُسینی قافلہ کے خیمے لوٹنے والے، آگ لگانے والے اور قتل کرنے والے سب شیعہ تھے...... اس جُرم میں نہ یزید ملوث ہے نہ ابنِ سعد، اس میں نہ شمر کا ہاتھ ہے نہ ابنِ زیاد کا، نہ کسی شامی کا نہ حجازی کا نہ مصری کا بلکہ قتلِ حسین کی تمام تر ذمہ داری کوفیوں پر ہے اور ہم شیعہ کتب سے ثابت کر چکے ہیں کہ کوفہ کے رہنے والے شیعہ تھے" (ص۱۹۴۔۱۹۵)

امام اہلِ سُنت مولانا عبد الشکور لکھنویؒ نے بھی اپنی تحقیقی کتاب "قاتلانِ حسینؓ کی خانہ تلاشی" (ناشر: سید بک ایجنسی۔ کریم سینٹر۔ صدر کراچی) میں اسی حقیقت کو اُجاگر کیا ہے۔ متلاشیانِ حق اس کتاب کا ضرور مطالعہ کریں۔

تشریح و تنبیہ:

جو لوگ یزید کے بارے میں اچھے خیالات نہیں رکھتے وہ یا تو تاریخ کے ماہر نہیں اور مخالف پروپیگنڈے سے متاثر ہیں اور یا اتنی بصیرت نہیں رکھتے کہ دشمنانِ صحابہؓ کی چالوں کو سمجھ سکیں، کیونکہ دشمن کو معلوم ہے کہ صحابہ کرامؓ پر کھلم کھلا چوٹ اہلِ سُنت برداشت نہیں کریں گے، اس لئے وہ یزید کو پہلا ہدف بناتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اگر یزیدی بُرائی مسلم ہو گئی تو اس کو خلیفہ مقرر کرنے والے حضرت امیر معاویہؓ، اس کی سفارش کرنے والے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اور یزید کی خلافت پر

بیعت کرنے والے تمام صحابہ کرامؓ کی بُرائی خود بخود دلوں میں بیٹھ جائے گی، پھر جس نے حضرت معاویہؓ کو گورنر بنایا (یعنی حضرت عمر فاروق اعظمؓ) اور جس نے انھیں گورنری پر برقرار رکھا (یعنی حضرت عثمانؓ) ان کے خلاف دلوں میں میل آئے گا اور یوں رفتہ رفتہ تمام اصحابِ رسولﷺ

سے بغض پیدا ہو جائے گا یا کم از کم ان سے وہ محبت نہیں رہے گی جیسی ہونی چاہیے..... اور یہی ان دشمنانِ صحابہؓ کا مقصد ہے۔ دراصل یزید کی بُرائی ان کا مقصد ہے ہی نہیں، بلکہ یزید کے ذریعے اور حوالے سے اس کو خلیفہ مقرر کرنے والے، اس کی خلافت کا مشورہ دینے والے، اس کی بیعت کرنے والے تمام صحابہ کرامؓ پر طعن کرنا مقصود ہے۔ وہ یزید کو قتلِ حسین میں ملوث کر کے، اور اس کی بے انتہا بُرائیاں کر کے یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ دیکھو اتنے صحابہؓ میں کوئی بھی جُرأت مند اور غیرت مند نہیں تھا جو حسینؓ کی مدد کرتا اور یزید جیسے آدمی کو خلافت سے اتار دیتا یا کم از کم اس کے خلاف لڑتے ہوئے حسینؓ کی طرح اپنی جان ہی قربان کر دیتا۔ اس کے برعکس اس وقت موجود تمام بڑے بڑے صحابہؓ مثلاً عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، انس بن مالک، جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم اجمعین غرض وہ تمام صحابہ کرامؓ جو اس وقت موجود تھے یہ ساری خلافِ شرع باتیں گوارا کرتے رہے!

الغرض وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ آج کل کے حریت پسندوں اور آمریت کے دشمنوں سے بھی گئے گزرے تھے۔ کیوں کہ آج بھی آمروں کو ہٹانے کے لئے بہت سے لوگ اپنی جانیں قربان کر دیتے ہیں مگر ان صحابہ کرامؓ سے کچھ بھی نہ ہو سکا۔ اس طرح منافقین کا یہ گروہ یزید کی آڑ میں رسول اللہﷺ کی تربیت یافتہ تمام جماعت کو مفاد پرست، لادین اور اسلام سے برگشتہ ثابت کرنا چاہتا ہے..... یہی وجہ ہے کہ جو محققینِ اہلسنت دشمن کی اس چال کو سمجھتے ہیں، وہ ان کے پروپیگنڈے سے متاثر نہیں ہوتے، لیکن جو اس گہرائی میں نہیں جاتے اور سنی سنائی باتوں پر عمل کرتے ہیں، ان سے کوتاہی ہو جاتی ہے۔ جو اہلسنت کے لئے بہت نقصان دہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحابہ کرامؓ کی سچی محبت عنایت فرمائے کہ ان کی محبت جزوِ ایمان ہے، اور دشمن کی چالوں کو سمجھنے اور اس کے غلط پروپیگنڈے کی قلعی کھولنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

(24) کے خلاف تین بڑے الزامات یعنی نواسۂ رسولﷺ حضرت حسینؓ کا قتل، مدینہ الرسول کی بے حُرمتی اور کعبہ کی آتشزدگی میں کوئی بھی الزام درست یا ثابت نہیں، گو کہ منافقین نے من گھڑت روایتوں اور فرضی داستانوں کے ذریعے یزید کو ملوث کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا ہے۔

سفرِ کوفہ (کربلا) کے ضمن میں حضرت حسینؓ کا یزید کے پاس جا کر بیعت کرنے کی پیش کش (البداية والنهاية، ج:۸، ص: ۱۵۶، ۱۶۲)، یزید کی نیک اطواری کے بارے میں مفسرِ قرآن

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی عینی شہادت و فرمان (الانساب الاشراف، بلاذری، ج ۴، ص ۲) اور حضرت علیؓ کے لختِ جگر محمدؐ المعروف بہ ابن الحنفیہ کی یزید کے کردار کی پاکیزگی کی شہادت جو انہوں نے اُن لوگوں کے سامنے پیش کی جو مدینہ منورہ میں یزید کے خلاف ہنگامہ کرنے میں پیش پیش تھے، (البدایہ والنہایہ، ج ۸، ص ۲۳۳) اور فتنۂ حرّہ کے موقع پر شیخ الصحابہ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا طرزِ عمل اور لوگوں کو یزید کی بیعت پر قائم رہنے کی تلقین جو کہ حدیث کی معتبر کتاب بخاری شریف (ج ۲، ص ۱۰۵۳) میں محفوظ ہے یہ تینوں ایسی مستند تاریخی دستاویزات ہیں جو یزید کے فسق و فجور کی شیعی پروپیگنڈے کی دھجیاں اڑا دیتی ہیں۔

شیخ الحدیث و سابق مہتمم ندوۃ العلماء لکھنؤ، مولانا محمد اسحق صدیقی ندوی (اللہ تعالیٰ ان پر اپنی مغفرت اور رحمت کی بارش فرمائے) نے بڑی جُرأتِ ایمانی سے سبائی تکنیک کا پردہ چاک کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

ابن سباء کی پیروی کرنے والوں کا لقب ابتداء میں شیعانِ علیؓ تھا مگر ایک مدت بعد یہ صرف شیعہ کے لقب سے مشہور ہوئے" اور آج تک شیعہ یا رافضی کہلاتے ہیں۔ ان لوگوں نے قرآن و سُنت کے خلاف سبائی افکار کی اشاعت کو اپنا مشن بنا لیا اور ان کی بنیاد پر خلافتِ اسلامیہ پر قبضہ کرنے اور اگر قبضہ نہ ہو سکے تو اسے تباہ کرنے کا بیڑا اٹھا لیا۔

یہ واضح رہے کہ شیعوں اور یہود کو عداوت اور دشمنی ان دونوں خلافتوں (بنو امیہ و بنو عباس) ہی سے نہیں بلکہ انہیں ہر" اسلامی سلطنت سے عداوت ہے۔ اور ان دونوں خلافتوں کا زوال بھی یہود اور شیعوں کی متفقہ سازشوں اور فریب کاریوں سے ہوا، بلکہ چودہ صدیوں میں جتنی اسلامی سلطنتیں زوال پذیر ہوئیں، کم از کم پچانوے (۹۵) فیصد کے زوال میں شیعوں کا ہاتھ ضرور رہا ہے۔

تاریخ میں شیعوں کا کردار دیکھنے سے یہ واقعہ نمایاں ہو جاتا ہے کہ شیعوں کو اصل عداوت دینِ اسلام سے ہے۔ وہ قرآن مجید" کے دشمن ہیں اور جن پر قرآن مجید نازل ہوا یعنی رسولِ اکرمﷺ کے دشمن ہیں...... قرآن مجید اور حضرت رسولِ اکرمﷺ دونوں کی دشمنی اور دینِ اسلام کی عداوت کی وجہ سے یہ گروہ ان مبارک قرون اور ان ادوار کے اہلِ ایمان کے دشمن ہو گئے۔ اور اس نے انہیں بدنام کرنے اور نقصان پہنچانے کی پوری کوشش کی۔ کاش ہمارے وہ سُنی تاریخ نگار اور علماء جو

ادوار کی تاریخ اور اس کے ممتاز رجال کے کردار کے بارے میں شیعوں کی آواز میں آواز ملاتے ہیں اور ان کے اشاروں پر حرکت کرتے ہیں، امیر یزیدؒ یا کسی اور اموی یا عباسی خلیفہ یا ان کے عمال کی توہین و تذلیل کرنے میں ان کی ترجمانی اور ہم آہنگی کرتے ہیں، اس واضح نکتے سے واقف ہو جائیں کہ وہ شیعوں کے ہم نوا ہو کر غیر شعوری طور پر قرآن و حدیث کی مخالفت اور نبی معصوم محمد رسول اللہﷺ کو (العیاذ باللہ) خطا کار قرار دے رہے ہیں۔ وہ غور کریں کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور صراطِ مستقیم سے کتنی دور جا پڑے ہیں، انہیں اپنی روش سے توبہ کرنا چاہیے اور چند صدی بیشتر جن سنی علماء و مؤرخین نے اس "تبرا" میں حصہ لیا ہے، ان کے فعل کو ان کی نادانستہ غلطی اور غلط فہمی پر محمول کر کے ان کے لئے دعاء کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے انہیں معاف فرمائے اور ان سے اس کا مؤاخذہ نہ فرمائے۔ ان حضرات کی کورانہ تقلید کر کے دیدہ و دانستہ اس معصیت پر اصرار کرنا اور ان بزرگوں کے اقوال کو بطور سند پیش کرنا نہ شرعاً جائز ہے اور نہ عقلاً و اخلاقاً"۔

(اظہارِ حقیقت" بجواب "خلافت و ملوکیت" ج ۳، ص ۳۷۳، ۳۹۰ اور ۴۵۶")

رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ یہود و نصاریٰ ۷۲ فرقوں میں تقسیم ہو گئے اور میری اُمت ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی جو (25) سب کے سب دوزخ میں جائیں گے سوائے ایک کے۔ عرض کیا گیا کہ وہ خوش نصیب لوگ (جنتی) کون ہوں گے؟ آپﷺ نے (فرمایا: **ما انا علیه واصحابی** یعنی جو میرے اور صحابہ کے نقشِ قدم پر چلیں گے (ترمذی

اُمتِ محمدیہﷺ کا مسلمہ عقیدہ ہے کہ اصحابِ رسولﷺ سب کے سب عادل و ثقہ تھے۔ اگر ہم صدقِ دل سے صحابہ کرامؓ کو حق کی کسوٹی مان لیں تو یزیدؒ کے بارے میں سارے جھگڑے ختم ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا اہلِ سنت کے عوام و خواص کو شیعہ کے یزید دشمن پروپیگنڈے سے متاثر ہونے کی بجائے صحابہ کرامؓ کے طرزِ عمل سے رہنمائی حاصل کرنی چاہیے جنہوں نے نہ صرف خلیفہ برحق (یزید بن معاویہؒ) کی بیعت کی بلکہ تا حیات اس بیعت پر سختی سے کاربند رہے۔ مزید برآں علامہ ابنِ کثیر کی کتاب "البدایہ والنہایہ" (ج ۸، ص ۲۳۳) میں حضرت حسینؓ کے برادرِ محترم، امام محمد بن حنفیہؒ کی بڑی وزن دار عینی شہادت دیکھ لینے کے بعد پھر بھی امیر یزیدؒ پر سبائیوں کے جھوٹے الزامات کو دہرانا، کیا یہ علماء کی لغزش نہیں تو اور کیا ہے؟ اسی لیے زلات اور لغزشوں کے متعلق یہ تنبیہ کی گئی ہے

(کہ: لا يجوز لأحد أن يتبع زلات العلماء (تطهير الجنان واللسان ص ۵۹ طبع ۱۳۹۶ھ

یعنی "کسی شخص کو یہ جائز نہیں کہ وہ علماء کی لغزشوں کا اتباع کرے"۔

لہٰذا ہمارے علماء و مشائخ کا یزید مخالف پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر سنی سنائی باتوں پر یقین کرنا اور لکیر کے فقیر ہو کر تسلیم و بیان کرتے چلے جانا کہ حضرت حسینؓ کربلا میں اپنے نانا کا دین بچانے کے لیے شہید ہوئے، کہاں کی عقل مندی اور انصاف ہے؟...... اور پھر ستم یہ کہ اگر کوئی اہل حق اصل حقائق لوگوں کے سامنے لا کر رفض کے کرتوتوں و عزائم کو بے نقاب کرتا ہے تو اسے "یزیدی" اور "خارجی" کہہ کر بدنام کیا جاتا ہے۔ حالانکہ کربلا کے المناک واقعہ سے زندہ بچ نکلنے والے حضرت حسینؓ کے اہل خانہ نے بھی اس حادثہ کا ذمہ دار یزید کو نہیں بلکہ "شیعانِ کوفہ" کو ٹھہرایا ہے جنہوں نے دھوکے سے !بُلا کر دور دراز علاقے میں حضرت حسینؓ کو نہایت بے دردی سے شہید کر دیا

:ایک غلط تاثر

اہلِ تصوف کے بعض حلقوں کی طرف سے بھی سیدنا معاویہؓ پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ انہوں نے خلافت کو موروثی بنانے کی خاطر اپنے بعد اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد بنایا حالانکہ خود سلسلۂ طریقت کے تقریباً ہر مرکز، تکیے، گدی، خانقاہ، مسجد و مدرسہ میں بدرجہا افضل لوگوں کی موجودگی کے باوجود باپ کے بعد بیٹا ہی بالعموم مسند نشین ہو رہا ہے حتیٰ کہ مذہبی و سیاسی جماعتوں میں بھی وقتاً فوقتاً یہی یاد تازہ کی جا رہی ہے۔ لہٰذا ان مشائخِ عظام کی خدمت میں ریکارڈ کی دُرستی کے لیے عرض ہے کہ سیدنا معاویہؓ نے خلافت کو موروثی بنانے کے لیے ہرگز یہ اقدام نہیں کیا تھا بلکہ لاکھوں مربع میل پر پھیلی ہوئی وسیع و عریض سلطنت کے اہل حل و عقد کی تائید و حمایت اور مشورے سے یزید کو خلافت کا اہل سمجھ کر نامزد کیا تھا اور یزید کی بیعت و ولی عہدی پر حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سمیت تمام عالمِ اسلام کا اتفاق تھا کیونکہ خلیفہ راشد، سیدنا معاویہؓ نے یہ کام محض رضائے الٰہی کے حصول، امتِ مسلمہ کو انتشار و افتراق سے بچانے اور یزید کی صلاحیت و اہلیت کی بنا پر کیا تھا۔ کاش کہ سب اہل ایمان حقیقت کا ادراک کر کے اسلاف کی توقیر و تعظیم کو اپنا شعار بنائیں جو کہ اُن کی مغفرت اور ترقیِ درجات کا باعث ہو گا۔

نوٹ: ہمارے محدثین و محققین نے روایات کو جانچنے کا جو پیمانہ روایت و درایت مقرر کیا ہوا ہے اسے آج پامال کیا جا رہا ہے۔ اُصولِ روایت یہ ہے کہ اگر راویان کذاب اور بدعقیدہ (اہل تشیع) ہوں

جیسا کہ ابو مخنف، ابن اسحاق، واقدی، طبری، یعقوبی، کلبی، زُہری اور مسعودی وغیرہ جو تاریخِ اسلام میں گھسے ہوئے ہیں تو ان کے خلافِ عقلِ عامہ اور خلافِ واقعہ بیانات مسترد کر دیئے جائیں گے۔ اُصولِ درایت یہ ہے کہ راوی کے ثقہ ہونے کے باوجود اگر اس کی روایت خلافِ قرآن و سنت اور تعاملِ صحابہؓ ہو تو وہ روایت بھی نا قابلِ قبول ہو گی۔ چونکہ خلیفہ راشد، حضرت معاویہؓ نے اپنے دورِ خلافت میں آلِ یہود (اہلِ تشیع) کی خاصی سرکوبی کی تھی چنانچہ ان عیاروں نے انتقاماً خلیفۂ خامس (حضرت معاویہؓ) پر "ملوکیت" کا جھوٹا الزام لگایا۔ پھر اُس کی آڑ میں "حسینیت و یزیدیت" کا ڈھونگ رچایا جاتا ہے، ایسی شیعی خرافات میں جو اہلِ ایمان "ہاں میں ہاں" ملاتا ہے وہ درج بالا ارشاداتِ قرآن و احادیث اور اصولِ روایت و درایت کی رو سے اپنے ایمان کو خطرے میں ڈالتا ہے۔

لمحۂ فکریہ: یہاں ہمارا سوال اُن لوگوں سے ہے جو ایک، دو حضرات (یعنی ابنِ زبیرؓ و حسینؓ) کی عدمِ بیعت سے امیر یزیدؒ کی خلافت کو ناجائز و باطل قرار دیتے ہیں۔ اُن کو یاد رکھنا چاہیے کہ مدینہ میں سبائی تسلط کے پیشِ نظر نصف سے زائد صحابہؓ نے حضرت علیؓ کی بیعت نہیں کی تھی مگر پھر بھی اُن کی خلافت منعقد ہو گئی تھی اور حضرت حسینؓ نے تو کوفہ کے اطراف میں پہنچ کر امیر یزیدؒ کے ہاتھ میں ہاتھ دینے یعنی بیعت کرنے کا اعلان کر دیا تھا جو یزیدؒ کے خلیفہ برحق ہونے کا کھلا ثبوت ہے۔

یزیدؒ کے اوصافِ حمیدہ، سیرت و کردار کے لئے ملاحظہ ہو عربی درسی کتاب "حقائق عن امیر المؤمنین یزید بن معاویہ"، مطبوعہ وزارتِ المعارف، سعودی عرب۔ یہ صدقۂ جاریہ ہو گا کہ اللہ کا کوئی نیک بخت بندہ اس اصلاحی کتاب کا اُردُو ترجمہ کروا کر شائع کروا دے تاکہ عوام الناس کے عقائد اور افکار و نظریات کی دُرستی ہو سکے۔ یاد رہے کہ ہم اُس وقت تک خلیفہ راشد، سیدنا معاویہؓ اور صحابہ کرامؓ کا کامیاب دفاع نہیں کر سکتے جب تک امیر یزیدؒ پر لگائے گئے غلط الزامات کی تردید نہیں کی جاتی کیونکہ وہ متقی، پابندِ شریعت اور اسلامی ریاست کے سربراہ (یعنی خلیفہ المسلمین) تھے۔

خلاصۂ بحث: سانحۂ کربلا کے سلسلے میں قابلِ غور بات یہ ہے کہ حادثۂ کربلا کے بعد کسی شخص بشمولِ خاندانِ حضرت حسینؓ نے اس ظلم کا ذمہ دار امیر یزیدؒ کو نہیں ٹھہرایا۔ نہ کوئی تحریک برپا ہوئی، نہ کسی مخالف نے اپنی مخالفت کے اسباب میں اس حادثہ کو شامل کیا..... یہ کارستانی سب سے پہلے بدقماش کٹر رافضی، ابو مخنف کذاب نے کی ۔ بعد ازاں طبری نے اسے افسانوی رنگ دے کر اس کی خوب

تشہیر کی اور پھر چند سُنّی مؤرخین بشمول ابنِ خلدون بھی بغیر تحقیق کے اسے نقل در نقل کرتے چلے گئے اور اس طرح اپنے قارئین کے نزاع اور گمراہی کا باعث بنے۔ لہٰذا اس مسئلہ کے حل کے لئے مولانا عطا اللہ بندیالوی (خطیب، جامع مسجد معاویہؓ، سرگودھا) کی مستند کتاب کا مطالعہ ضروری ہے جو کہ واقعہ کربلا کی صحیح تصویر پیش کرتی ہے۔ صحابہ کرامؓ کے عقیدت (مندوں سے گزارش ہے کہ اس تحقیقی کتاب کی اشاعت عام کریں۔ (جزاکم اللہ خیراً

:ایک پُر فریب مغالطہ

شیعہ کے نزدیک اہلِ بیت صرف چار افراد ہیں یعنی حضرات علیؓ، فاطمہؓ، حسنؓ اور حسینؓ حالانکہ قرآن مجید کی رو سے رسول اللہﷺ کی ازواجِ مطہراتؓ اصل اہلِ بیت ہیں اور بعض احادیث کے مطابق آپﷺ کی اولادِ مبارک بھی اس میں شامل ہے مگر شیعہ نے بڑی عیاری سے اہلِ بیتِ علیؓ کو اہلِ بیتِ رسولﷺ بنا کر پیش کر دیا اور اس کا اتنا پروپیگنڈہ کیا کہ اب پاک و ہند کا شاید ہی ایسا کوئی شخص ہو جو "اہلِ بیت" کے معاملہ میں تشیع کا پیروکار نہ ہو، حتیٰ کہ ہمارے ۱۹۷۳ء کے ملکی آئین میں بھی "اہلِ بیتِ عظامؓ" سے یہی غلط العام مطلب اور مفہوم لیا گیا ہے۔ رسول اللہﷺ کی ازواجِ مطہراتؓ اور اولادِ مبارک جو کہ حقیقی اہلِ بیت ہیں ان کو ہم سبھی نے فراموش کر دیا۔ یہ ہے رفض کی کارستانی! لیکن افسوس صد افسوس کہ آج اگر شیعی نظریہ "اہلِ بیت" کی تردید کی جائے تو الزامِ خارجیت کا لگا دیا جاتا ہے حالانکہ "اہلِ بیت" کی اولین مصداق "ازواجِ مطہراتؓ" ہی (ہیں۔ قرآن مجید اس پر گواہ ہے۔ (سورۃ الاحزاب، آیت ۳۳

:ایک غلط فہمی کا ازالہ

مشہور عام یہ حدیث صحیح نہیں کہ "خلافت تیس سال تک رہے گی، پھر ملوکیت آ جائے گی"۔ حضرت سفینہؓ سے منسوب یہ روایت خبرِ واحد اور منقطع ہے۔ بخاری و مسلم کی بارہ خلفاء والی صحیح حدیث (جس کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے) اس کی نفی کرتی ہے۔ یہ روایت خلافتِ راشدہ کو خلفائے اربعہ تک محدود کرنے اور خلیفہ راشد، سیدنا معاویہؓ کو اس میں سے خارج کرنے کے لئے بعد میں گھڑی گئی ہے، حالانکہ رسولِ کریمﷺ کی دعا ہے: اللهم اجعله هاديا مهديا و اهدِ به {ترمذی} یعنی "اے اللہ! معاویہ کو ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ بنا اور اُسے دوسروں کی ہدایت کا ذریعہ بنا"۔ اور آنحضرتﷺ کی دعا عند اللہ مقبول و منظور ہے، اسی دعا کے صدقے سیدنا معاویہؓ نے اپنے دورِ خلافت میں نصف دنیا پر اسلام کا پرچم لہرایا۔

تیس سالہ داستانِ خلافت" کی تردید بہت سی احادیثِ صحیحہ سے بھی ہوتی ہے۔ بارہ خلفاء (سن ۱۲۵ ہجری) کے بعد بھی اسلام" معزز رہا اور برابر ترقی کرتا رہا اور خلافت کسی نہ کسی شکل میں صدیوں تک قائم رہی تھی کہ ترکی کے ڈکٹیٹر، کمال اتاترک (جو کہ در پردہ عیسائی تھا) نے پہلی جنگِ عظیم کے بعد 3 مارچ 1924ء کو خلافتِ عثمانیہ کو کالعدم کر کے اسے خلافِ قانون قرار دے دیا۔ بحوالہ روزنامہ "اسلام" (مورخہ ۱۲ نومبر ۲۰۰۸ء) "کمال اتاترک وہ بد بخت اور سفاک حکمران تھا جس نے خلافت کی قبا چاک کی، مسجدوں کو اصطبل خانوں میں تبدیل کیا، قرآنِ مقدس اور کتبِ احادیث کو مساجد میں آگ لگوا دی، مستورات کے برقعے اتروا کر جلا دیئے، اذان اور نماز باجماعت پر پابندی لگا دی، ترکی سے سفرِ حج ختم کر دیا، عربی رسم الخط پر پابندی لگا دی، انگریزی لباس بمع ٹوپی کو لازمی قرار دے دیا، نام نہاد جمہوریت کے نام پر بدترین ڈکٹیٹر شپ قائم کی۔ مسجدِ نبوی کے امام شیخ علی عبد الرحمن الحذیفی حفظہ اللہ تعالیٰ اسے دورِ حاضر کا دجال قرار دیتے ہیں"۔

خلافتِ اسلامیہ کے احیاء کی اب پھر شدت سے ضرورت ہے کہ نظامِ خلافت کے بغیر دنیائے عالم کے مسلمان کبھی متحد نہیں ہو سکتے اور نہ ہی اسلام کا کھویا ہوا وقار اور عظمت بحال ہو سکتی ہے۔ لہٰذا خلافت کے دوبارہ قیام کے لئے کوشش کرنا فرض ہے اور اس سے غفلت برتنا اللہ کے عذاب کو دعوت دینا ہے۔ واضح رہے کہ وعدۂ خلافت، جملہ اُمّت سے قیامت تک کے لئے ہے۔ جب بھی صالح مسلمانوں کی حکمرانی قائم ہوگی اور اس میں شریعتِ محمدی کا نظام رائج ہوگا تو وہ اُس دور یا موجودہ دور کی خلافتِ راشدہ ہی کہلائے گی۔ دنیا پر حکمرانی نہ صرف اُمّت کا استحقاق ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ فریضہ ہے، جس کی بجا آوری کلمۃ اللہ کی سربلندی کے لیے ضروری ہے۔

انتباہ: اگر ہم اخلاص و نیک نیتی سے صحابہ کرامؓ کو معیارِ حق مان لیں جیسا کہ وہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خود قرآنِ مجید میں اُن کے بارے میں گواہی دی ہے تو یزیدؒ کے بارے میں سارے تنازعے ختم ہو سکتے ہیں کیونکہ صحابہ کرامؓ نے ہی تو بلا خوف و خطر اور بغیر طمع و لالچ کے امیر یزیدؒ کی پہلے بیعتِ ولی عہدی اور بعد میں بیعتِ خلافت کی تھی اور تا زندگی اُس پر سختی سے قائم رہے، اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ امیر یزیدؒ متقی و پرہیز گار تھے اور اُن میں وہ خامیاں یا برائیاں ہرگز نہ تھیں جو کہ ایک مخصوص طبقہ اپنی کم علمی یا ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اُن کی طرف منسوب کرتا ہے۔

لہٰذا **یزید** کے بارے میں غلط الزامات کی تردید اور گمراہ کن غلط فہمیوں کا ازالہ دراصل صحابہ کرامؓ کا دفاع ہے کیونکہ صحابہ کرامؓ نے نہ صرف بخوشی یزیدی بیعت کی بلکہ تا حیات اس بیعت پر صدقِ دل سے قائم رہے۔ جس طرح جنگِ اُحد میں درّہ کے دفاع سے غفلت برتنے پر مسلمانوں کی فتح شکست میں تبدیل ہو گئی اسی طرح یزید کو فی زمانہ مخالف پروپیگنڈے کی نذر کرنے سے صحابہ کرامؓ کی بدنامی لازم آتی ہے اس لئے صحابہ کرامؓ کے ناموس کی حفاظت اہم ترین دینی فریضہ ہے کیونکہ صحابہ کرامؓ کے مجروح ہو جانے کے بعد قرآنِ مجید اور نبوتِ محمدیؐ سب مشکوک ہو جاتے ہیں۔ اس حقیقت کے ادراک میں ہی بقائے اسلام اور فلاحِ اُمت کا راز مضمر ہے۔ کوئی بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے دفاعِ صحابہ کے محاذ پر کام کرنے والوں اور ناموسِ صحابہؓ پر مر مٹنے کا عزم رکھنے والوں کو صحابیت کے اکرام کے صلہ میں جنت عطا فرمائیں۔ وللّٰہ عاقبۃ الامور۔

حرفِ آخر: فرمانِ نبوی ﷺ **الدین النصیحۃ** (یعنی دین نام ہے نصیحت کا) کے تحت یہ تحقیقی جائزہ آپ کو خیر خواہی کے جذبہ کے ساتھ بصورتِ کتابچہ ارسال کیا جا رہا ہے کیونکہ حق بات آپ تک پہنچانا میرا بھی فرض بنتا ہے۔ اگر آپ میری معروضات سے متفق ہوں تو اس کی فوٹو کاپیاں بنوا کر یا چھپوا کر آئمہ مساجد، اساتذہ کرام، معززینِ حضرات، ناظمین و ممبرانِ اسمبلیاں اور افسرانِ حکومت تک پہنچائیں تاکہ رفض کے دجل و فریب کا خاتمہ ہو اور ناواقف اہلِ سُنت کو صحیح حقائق سے آگاہی ہو۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

واللہ قرآن و سُنت پر مبنی اس مقالے سے مذہبی منافرت کا پھیلانا مطلوب نہیں بلکہ لوگوں کو گمراہی سے بچانا مقصود ہے تاکہ وہ اپنے عقیدہ و ایمان کی حفاظت کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس تحریر کو راقم کی نجات، مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت اور اہلِ زیغ کی ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ آمین

(سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ۝ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (سورۃ الصّٰفّٰت ۱۸۰ تا ۱۸۲

================== ترتیب و تدوین: پروفیسر محمد عمران ==================

ضمیمہ:

اہلِ بیتِ رسول ﷺ

(قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا (سورۃ الاحزاب: آیت ۳۳**

ترجمہ) اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ اے نبی کے اہل بیت یعنی گھر والو! تم سے وہ (ہر قسم کی) گندگی کو دور کر دے اور تمہیں)" خوب پاک کر دے"۔

قرآن مجید کی رو سے "اہلِ بیت" سے مراد ازواجِ النبیﷺ (جو کہ اُمّہات المؤمنین کہلاتی ہیں) ہیں نہ کہ اہل بیتِ علیؓ یعنی چار تن (علیؓ، فاطمہؓ، حسنؓ، حسینؓ) جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے۔ حدیثِ کساء یعنی چادر والی روایت جو محدثین کے نزدیک "حدیثِ غریب" (جس کا راوی ثقہ نہ ہو) ہے، اس سے استدلال کر کے صرف حضرات علیؓ، فاطمہؓ، حسنؓ اور حسینؓ ہی کو "اہلِ بیت" قرار دینا کئی وجوہ سے غلط اور فیصلۂ قرآنی کے خلاف ہے۔

اہلِ بیت کا حقیقی اطلاق بیوی پر ہی ہوتا ہے نہ کہ اولاد پر۔ بیوی اصالتاً اہل بیت ہے اور اولاد طبعاً اہل بیت ہے۔ ان دونوں کا فرق یہ ہے کہ فرع کے بغیر اصل کا وجود ہو سکتا ہے لیکن اصل کے بغیر فرع کا تصور بھی نہیں ہو سکتا ہے۔ مثلاً اولاد کے بغیر بیوی کا وجود ہو سکتا ہے لیکن بیوی کے بغیر اولاد ممکن نہیں۔ پس بیوی اصالتاً اہل بیت ہے اور اولاد فرعاً ومجازاً۔

:اہلِ بیتِ رسولﷺ (ازواجِ مطہرات) کے اسمائے گرامی یہ ہیں

حضرت خدیجہؓ، حضرت سودہؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت زینبؓ بنت خزیمہ، حضرت اُمِ سلمہؓ، حضرت زینبؓ بنت جحش، حضرت جویریہؓ، حضرت ریحانہؓ، حضرت اُمِ حبیبہؓ، حضرت صفیہؓ، حضرت ماریہؓ اور حضرت میمونہؓ۔

اولادِ مبارکہ: رسولِ کریمﷺ کی تمام اولادِ حضرت خدیجہؓ کے بطن سے ہوئی سوائے ایک بیٹے ابراہیمؑ کے جو کہ حضرت ماریہؓ کے بطن سے ہوئے اور اٹھارہ ماہ کی عمر میں وفات پا گئے۔ رسولِ کریمﷺ کی چار بیٹیاں اور دو بیٹے حضرت خدیجہؓ کے بطن سے ہوئے (بیٹے قاسم اور عبداللہ تھے جو بچپن ہی میں فوت ہو گئے)۔

:بیٹیوں کے اسمائے گرامی

حضرت زینبؓ: جن کا نکاح حضرت ابو العاص بن ربیع (جو کہ حضرت خدیجہؓ کے سگے بھانجے تھے) سے ہوا جن کے (1) بطن سے علی بن ابو العاص اور سیدہ امامہ بنت ابو العاصؓ پیدا ہوئے۔ (حضرت فاطمہؓ زوجہ حضرت علیؓ کی وفات کے بعد سیدہ (امامہؓ کا نکاح حضرت علیؓ سے ہوا

رسولِ کریمﷺ کو اپنے نواسے علی اور نواسی امامہؓ سے والہانہ محبت تھی جیسا کہ حضرات حسنینؓ سے تھی۔ مگر بدقسمتی سے ہمارے علماء کرام جمعہ کے خطبات میں ان کا تذکرہ نہیں کرتے۔

حضرت رقیہؓ اور حضرت اُمِ کلثومؓ: جن کا نکاح یکے بعد دیگرے خلیفۂ ثالث حضرت عثمانؓ سے ہوا جس کی وجہ سے وہ **(۳ ، ۲)** ذوالنورین (یعنی دو نور والے) کہلائے حضرت رقیہؓ کے بطن سے حضرت عبداللہ پیدا ہوئے۔

حضرت فاطمہؓ: جن کا نکاح حضرت علیؓ سے ہوا اور ان کے بطن سے اُمِ کلثومؓ، زینبؓ اور حسنؓ و حسینؓ پیدا ہوئے۔ حضرت **(۴)** اُمِ کلثومؓ کا نکاح خلیفۂ راشد حضرت عمر فاروقِ اعظمؓ اور حضرت زینبؓ کا نکاح حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ سے ہوا۔

الحاصل: نبی کریمﷺ کی چار بیٹیوں میں سے اوّل الذکر تین بیٹیوں کے نکاح بنو امیہ میں اور آخر الذکر کا نکاح بنو ہاشم میں ہوا۔ مگر شیعہ سوائے حضرت فاطمہؓ کے باقی سب بیٹیوں کے انکاری ہیں تاکہ وہ اپنے باطل نظریۂ اہل بیت کا پرچار کر سکیں۔

رسول اللہﷺ کے آخری خطبات میں سے ایک فرمان ہے: **"میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے (یعنی تقویٰ اختیار کرنے) کی وصیت کرتا ہوں۔ میں تمہیں اپنے امیر کی بات سننے اور اطاعت کرنے کا حکم دیتا ہوں خواہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ میری اور میرے خلفائے راشدین کی سُنت کے مطابق عمل کرو جو ہدایت یافتہ ہیں۔ بدعات سے اجتناب کرو کیونکہ ہر بدعت (گمراہی ہے" (مسلم و نسائی**

اللھم صل علی محمد و علیٰ آل محمد و خلفاء محمد و بارک وسلم

===

اسلامی منشور:

- قرآن مجید ہمارا دستور
- سُنتِ نبویؐ ہمارا طرزِ زندگی
- شریعتِ محمدیؐ ہمارا قانون
- خلافتِ راشدہ ہمارا نظامِ حکومت
===

اسلام نظریۂ خلافت کا داعی ہے جس کی رو سے اسلامی مملکت کا سربراہ آنحضرتﷺ کے خلیفہ اور نائب کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی زمین پر احکامِ شریعہ کے نفاذ کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے۔ خلافتِ اسلامیہ کا قیام دراصل باطل نظاموں کا خاتمہ ہے۔

التماس: اس اصلاحی مقالے کو چھپوا کر تقسیم کیجئے کہ اہلِ سُنت کی غالب اکثریت واقعۂ کربلا کے پسِ منظر اور "اہلِ بیت" کی صحیح شناخت سے ناواقف ہے، جس سے دشمنانِ صحابہؓ و اہل بیتؓ کو اپنے باطل نظریات پھیلانے کا خوب موقع ملا۔ لہٰذا یکطرفہ پروپیگنڈے کی تردید اور اصل حقائق سے آگاہی کے لئے اس تحقیقی رسالے کی اشاعت ناگزیر ہے جس میں اپنا حصہ ڈالیں اور اس طرح تحفظِ ناموسِ صحابہؓ و اہل بیتؓ کا فریضہ سر انجام دے کر شفاعتِ محمدیﷺ کے مستحق بنیں۔

(الداعی الی الخیر: ادارہ شہادتِ حق، کراچی)

اُمت کی خیر خواہی کے لیے فتی العرب کا انتخاب

بعض حلقوں کی طرف سے سیدنا معاویہؓ پر یہ اعتراض خلافِ حقیقت ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے یزید کی بطورِ ولی عہد نامزدگی غیر شورائی طریقہ پر کر کے قیصر و کسریٰ کی سنت کو رواج دیا اور اس طرح اسلام میں موروثیت و ملوکیت کی بنیاد ڈالی، کیونکہ یزید کی نامزدگی صحابہؓ و تابعینؒ کی باہمی مشاورت و تائید سے ہوئی تھی۔ مشہور صحابیِ رسولﷺ، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی ایمان افروز تائید سے خلیفۂ المسلمین، سیدنا معاویہؓ کے دل میں یزید کو ولی عہد بنانے کا خیال اس لیے پیدا ہوا تھا تاکہ امیر معاویہؓ کے انتقال یا شہادت کے بعد انہیں خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں وہ عوام کو بکھرا ہوا نہ پائیں اور کہیں وہ فتنہ و فساد میں نہ چلے جائیں، جس کا کوئی چارہ نہ ہو، وہ دیانت داری کے ساتھ یزید کو خلافت کا اہل سمجھتے تھے، کیونکہ وہ متعدد معرکوں میں شجاعت اور جوانمردی کے کارہائے نمایاں سرانجام دے چکے تھے اور انہیں "فتی العرب" (عرب کا بہادر) کا خطاب ملا، خلافت کے لیے اہل و موزوں ہے۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ اور اُمّہات المؤمنینؓ نے یزید کی پہلے بیعتِ ولی عہدی اور بعد ازاں بیعتِ خلافت کر کے یہ ثابت کر دیا کہ یزید کی خلافت ان کی اہلیت و قابلیت کی دلیل ہے۔

مؤرخِ کبیر، ابنِ خلدون کے نزدیک بھی امیر معاویہؓ کے دل میں غیروں کو چھوڑ کر اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد بنانے کا جو داعیہ پیدا ہوا اُس کی وجہ اُمّتِ مسلمہ کا اتحاد و اتفاق اور مصلحت تھی، خلیفہ راشد، سیدنا معاویہؓ اپنے انتخاب میں مخلص تھے

اور جیسا کہ کتبِ تاریخ میں نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے جمعہ کے دن دمشق کی مرکزی مسجد کے منبر پر کھڑے ہو کر تمام لوگوں کے سامنے یہ دُعا مانگی:

”اے اللہ! اگر میں نے یزید کو اس کی قابلیت و لیاقت دیکھ کر ولی عہد بنایا ہو تو اسے اس مقام تک پہنچا دے، جس کی میں نے اس کے لیے اُمید کی ہے اور اس کی مدد فرما اور اگر مجھے اس کام پر صرف اس محبت نے آمادہ کیا ہے جو باپ کو بیٹے سے ہوتی ہے تو اس کے خلافت تک پہنچنے سے پہلے ہی اس کی روح قبض کر لے“ (الذہبی، تاریخِ اسلام و طبقات المشاہیر والاعلام، ج ۲، ص: ۷۶۲)۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے بھی تاریخ الخلفاء میں حضرت معاویہؓ کی یہ دعا نقل کی ہے۔

یہ دعا تو سراپا اخلاص و للہیت میں ڈوبے ہوئے انسان کے دل سے ہی نکل سکتی ہے، جس کی تصدیق ربِ کائنات نے قرآنِ مجید میں کر دی ہے:

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَ رَضُوْا عَنْہُ ؕ اُولٰٓئِکَ حِزْبُ اللّٰہِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ہُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

(ترجمہ: ”اللہ ان سے خوش اور وہ اللہ سے خوش۔ یہی فلاح پانے والا گروہ اللہ کا لشکر ہے“ (سورۃ المجادلہ، آیت ۲۲
